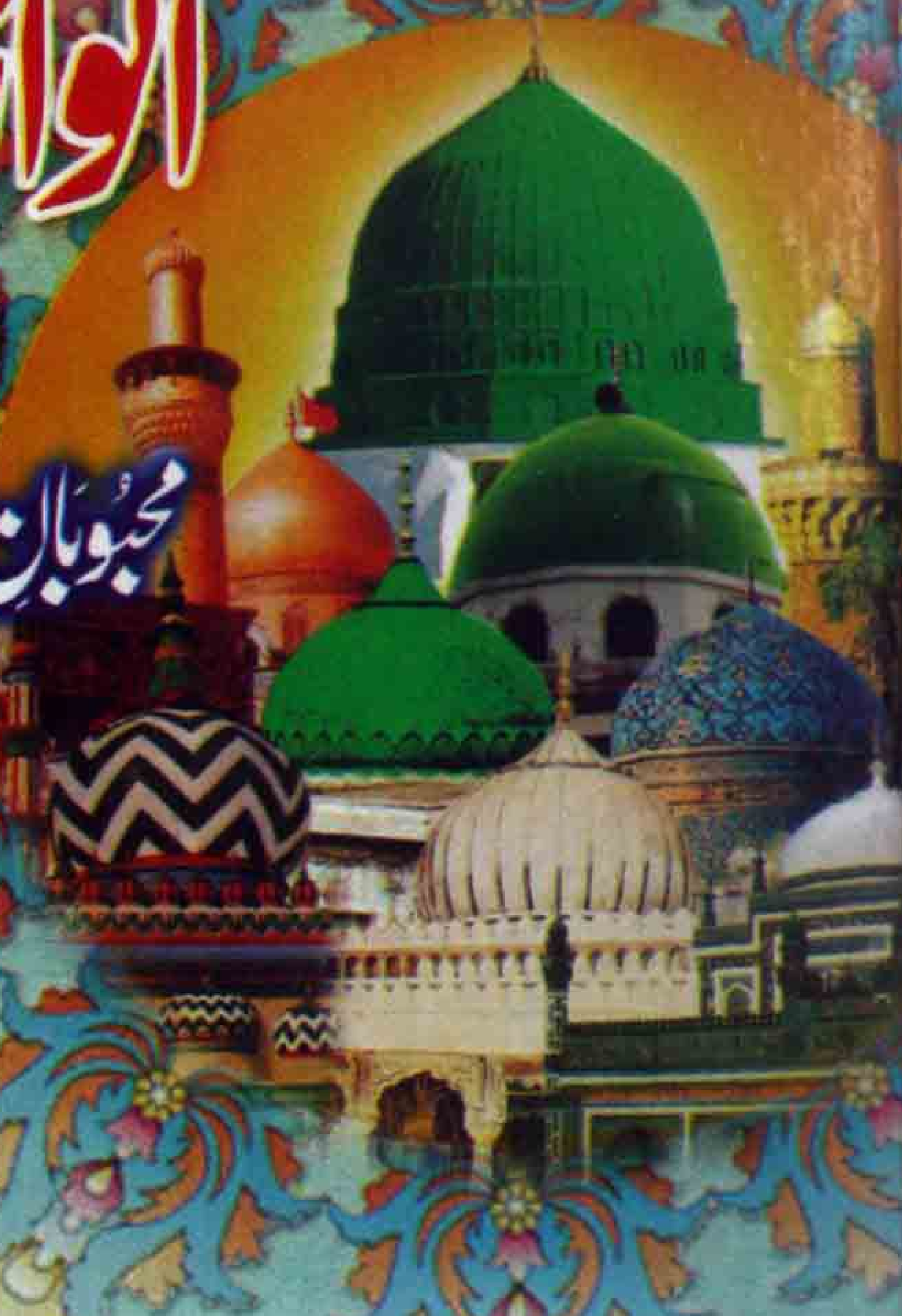
انوار الابرار

المعروف

محبوبانِ خدا کی حکایات



مؤلف

ابوالعرفان پروفیسر

فتح محمد نسیم

انوار الابرار

المعروف

محبوبانِ خدا کی حکایات

ابو العرفان حاجی فتح محمد نسیم
ایم اے اردو، ایم اے علوم اسلامیہ

مکتبہ جمالِ کرم
9 مرکز الاویس (سنٹرل) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948

نام کتاب ...... انوارالابرار المعروف محبوبان خدا کی حکایات
مصنف ...... پروفیسر فتح محمد نسیم
اشاعت اول ...... فروری 2002ء
تعداد ...... گیارہ سو
سرورق ...... محمد رمضان فیضی
زیراہتمام ...... ایم احسان الحق صدیقی
ناشر ...... مکتبہ جمال کرم، لاہور
قیمت ...... 75 روپے

ملنے کے پتے

(1) ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
(2) ضیاء القرآن پبلی کیشنز 14 انفال پلازہ، کراچی
(3) فرید بکسٹال، اردو بازار لاہور
(4) احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمیٹی چوک، راولپنڈی
(5) مکتبہ المجاہد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سرگودھا

انتساب

ان نفوسِ قدسیہ کے نام

جن کے انوار کی کرنوں نے

ہمیشہ تاریکیوں کو اجالوں میں

بدل دیا

پروفیسر ابوالعرفان فتح محمد نسیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
	حرف اول	
	پہلا باب۔ اللہ تعالیٰ	
1-	اللہ تعالیٰ	14
2-	ایک اللہ تعالیٰ	15
3-	اللہ دیکھ رہا ہے	16
4-	اللہ تو دیکھ رہا ہے ناں!	17
5-	احساسِ ذمہ داری	18
6-	جو نہیں سوتا وہ دیکھ رہا ہے	19
7-	اللہ کا خوف	20
8-	اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے	21
9-	اللہ ہے ناں!	22
	دوسرا باب۔ درود پاک کی عظمتیں	
1-	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ پر بشاشت	26
2-	نیکیوں کا پلڑا	〃
3-	شرابی کی مغفرت	27
4-	پورے قبرستان سے عذاب دور	28
5-	بغداد کے وزیر علی ابن عیسیٰ کے نام	29
6-	باپ کا چہرہ سیاہ ہو گیا	30
7-	سبز گنبد کا کنگرہ	31

حرف اول

اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاند سورج اور دیگر اجرام فلکی کو بنی نوع انسان کے مفاد کیلئے مختلف فرائض سونپ رکھے ہیں۔ سورج کی کرنیں کائنات میں حرارت تقسیم کر رہی ہیں۔ چاند' سورج' اور ستاروں کی شعاعیں روشنی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ طبعی زندگی کیلئے حرارت اور روشنی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

انسانی زندگی کا روحانی پہلو بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں انسان اور حیوان میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا۔ روحانی زندگی کے لئے بھی حرارت اور روشنی کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح طبعی زندگی کیلئے۔ روحانی زندگی کو روشنی انبیاءؑ' صحابہؓ اور اولیائے کرام سے حاصل ہوتی ہے۔ انبیاءؑ نے بالعموم اور اور محسن انسانیت سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالخصوص ایسا ضابطۂ اخلاق دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جس کی پاکیزہ کرنیں ہماری روحانی زندگی کیلئے روشنی اور حرارت فراہم کرتی ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کے قلوب ان مقدس کرنوں سے ہی منور تھے۔ ابوبکرؓ کے قلب میں صدق کی قندیل نور مصطفویؐ کی کرنوں سے ہی روشن ہوئی۔ عمر ابن خطابؓ کو فاروق اعظم بنا کر ان کی محفل عدل و مساوات کو اسی نور کی کرنوں نے منور فرمایا۔ عثمان بنؓ عفان کو ان ہی پاکیزہ نوری کرنوں نے ذوالنورین بنا دیا اور حیدر کرار کی تلوار میں بجلیاں بھر دیں۔

صدق و صفا کے پیکر شیخ عبدالقادر جیلانی کے قلب اطہر سے نکلنے والی کرنوں نے چوروں کو قطب بنا دیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے نور کی ان کرنوں سے کفرستان ہند میں ایمان و ایقان کے اجالے پھیلا دیئے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نے لاہور کے اطراف و اکناف کو منور کیا۔

خالد بن ولید کی ہر یلغار میں کامیابیوں اور کامرانیوں نے ان کے قدم کیوں چومے؟

طارق بن زیاد نے ساحل اندلس پر کشتیوں کو کیوں جلا ڈالا؟

محمود غزنوی نے کس طرح ہند کے طول عرض میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے؟

ان مجاہدین راہ حق کے قلوب نور ہدایت کی کرنوں سے منور تھے۔ ان کی یلغاروں میں سوز دروں کی حرارت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نہ تو لق و دق صحراؤں نے ان کے راستے روکے نہ ٹھاٹھیں مارتی ہوئی سمندروں کی لہریں ان کے لئے سدِ راہ ثابت ہوئیں اور نہ ہی پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں ان کے پاؤں کی زنجیریں بن سکیں۔ وہ جس طرف بڑھے بڑھتے ہی چلے گئے جہاں بھی گئے اپنے چمنستان خلق کے گلابوں سے فضا کو معطر کرتے چلے گئے۔

قارئین محترم! مادیت ہم پر غالب آ چکی ہے۔ ہمارے جسم فربہ ہیں لیکن روح کمزور۔ یہی وجہ ہے کہ ذلت و خواری ہمارا مقدر بن چکی ہے ہم دہر دہر اور قریہ قریہ رسوا ہوتے پھرتے ہیں۔ ہم توحید باری تعالیٰ کی عظمتوں سے بے بہرہ' عشق سرور دین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محروم' عفوودرگذر' ایفائے عہد' عدل و مساوات' عجز و انکسار مہمان نوازی' خدمت خلق اور فقر و قناعت جیسی اعلیٰ صفات سے محروم ہو چکے ہیں۔

اس کتاب کے صفحات کو سیرت مصطفویٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان پاکیزہ کرنوں سے مزین کیا جارہا ہے جن کا مرکز قرآن مقدس ہے۔ ان روح پرور اور حیات بخش کرنوں سے ہی صحابۂ کرام' اولیاء عظام اور مجاہدین اسلام نے اس طرح فیض پایا کہ ان کے نام قیامت تک زندہ و درخشندہ رہیں گے۔ ان کے پاکیزہ اطوار سے دنیا روشن ہے اور روشن رہے گی۔

پہلے پندرہ ابواب میں مختلف عنوانات کے تحت گل ہائے یک رنگ کے گلدستے سجا دیئے گئے ہیں جبکہ آخری باب میں رنگا رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا گیا ہے۔ خالق کائنات ان کی روح پرور مہک سے ہمارے اذہان کو معطر کر دے۔

آمین۔

ابوالعرفان فتح محمد نسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

1-اللہ تعالیٰ

ایک چھوٹا سا ادارہ جس میں محض چند کارکن کام کرتے ہیں ایک سربراہ کے بغیر نہیں چل سکتا تو اتنی بڑی وسیع و عریض کائنات ارضی و سماوی کس طرح ایک مالک و حکمران کے بغیر چل سکتی ہے! سورج، چاند اور سیارے کس کی مشیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اپنے مقررہ راستوں پر گامزن ہیں؟ دو چار یا دس بیس سال کی بات نہیں صدیوں پہ صدیاں بیت گئیں انہوں نے اپنے مقررہ راستوں سے سرموانحراف نہیں کیا۔ اگر ان کے سر پر کسی کی حکمرانی کا کوڑا نہ ہوتا تو یہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیست و نابود ہو جاتے

سمندر خشکی پر کیوں نہیں چڑھ دوڑتا؟ اس میں حدود آشنائی کا شعور کس نے پیدا کیا ہے؟ اس کو ہزاروں قسم کی مخلوق کا مسکن کس نے بنایا ہے؟

یہ پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں اور ان پر بچھی ہوئی برف کی سفید چادریں کس عظیم تخلیق کار کے دست قدرت کے شاہکار ہیں؟

زمین کو کس نے یہ صلاحیتیں عطا کی ہیں کہ اس کی چھاتی پر ہر رنگ کے پھولوں کی

قوسِ قزح بکھری پڑی ہے؟

انسان کو کس نے شرف انسانیت سے نواز کر فہم وفراست کی قوتوں سے مالا مال کر دیا؟

ان سوالوں اور ایسے ہی لاکھوں دوسرے سوالوں کا ایک اور صرف ایک جواب ہے اور

وہ ہے اللہ!

اللہ تھا

اللہ ہے........ اور

اللہ ہمیشہ رہے گا......... ....

2-ایک اللہ تعالیٰ

اللہ ایک ہے.............

دو، تین یا زیادہ اللہ نہیں ہیں..................

جو لوگ یہ سمجھتے یا کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ پروردگار ہیں وہ یا تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ ہیں یا اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

وہ اس حقیقت کو کیوں نہیں سمجھتے کہ جس ادارہ میں دو عملی ہو اس کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ کوئی کام قرینے سے انجام نہیں پاتا۔ نظم و ضبط کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر ناظم کی اپنی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ ایک کسی کام کی انجام دہی کے احکام جاری کرتا ہے تو دوسرا اس سے روک دیتا ہے۔ اس طرح ایک فساد برپا ہو جاتا ہے۔

اگر اس کائنات میں دو یا زیادہ پروردگار ہوتے تو ان کے درمیان فساد برپا ہو جاتا۔ ہر ایک کی اپنی ترجیحات ہوتیں اور ہر ایک من مانی کرنے کی کوشش کرتا۔ اس سے بدنظمی اور فساد برپا ہو جاتا ہے۔

کیا کائنات میں اس طرح کی بدنظمی اور فساد کے آثار ہیں؟

نہیں! ہرگز نہیں!

سورج اپنے وقت پر نکلتا اور مقررہ راہ پر چلتا چلا جاتا ہے..................

رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے.......... ..

سمندر اپنی حدود میں اور پہاڑ اپنے مقام پر قائم ہیں................

چاند اپنے نظام الاوقات کے مطابق بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے..................

ہوائیں چلتی ہیں بارش برستی ہے اور برف باری ہوتی ہے..................

کیا کبھی ایسا دیکھنے میں آیا ہے

کہ آم کے پیڑ پر کھجوریں اور انگور کی بیل پر سیب لگے ہوں..................

کہ گندم کا بیج بویا جائے اور باجرہ کی فصل لہلہانے لگے..................

کہ درندے جنگلوں سے نکل کر شہروں میں گھس آئے ہوں..................

کہ موسم گرما میں تو آدمی شدید سردی سے ٹھٹھر کر مر جائے اور سرما میں لو لگنے سے چل بسے..................

کہ بھینس تو انڈے دینے لگے اور چڑیا کا دودھ بازاروں میں بکنے لگے..................

اگر ایسا نہیں ہوتا..................اور یقیناً نہیں ہوتا۔

تو ماننا پڑے گا

کہ کائنات میں نظم و ضبط موجود ہے..................اور..................

اس کو چلانے والی ایک اور صرف ایک بااختیار ہستی موجود ہے۔

اور وہ ہے..................

اللہ!

ایک اللہ!

3- اللہ دیکھ رہا ہے

زلیخا حضرت یوسفؑ کے عشق میں جب عقل و خرد سے بے گانہ ہوگئی تو ایک روز ان کو

محل کے ایک بعید کونے میں لے گئی اور مطالبہ پیش کر دیا۔ اللہ کے نبی کیلئے یہ بڑا کٹھن امتحان تھا لیکن انبیاء کی عصمت کا رکھوالا تو خود خدا ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اوپر اشارہ کرتے ہوئے زلیخا کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔ اوپر طاقچہ میں زلیخا نے ایک مورتی رکھی تھی۔ اس نے یہ سمجھا کہ یوسفؑ بت سے حجاب کر رہے ہیں اس نے بت پر اپنی چادر ڈال دی اور کہنے لگی اب تو آ جاؤ اب کس چیز کا ڈر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا میں تو اس سے ڈرتا ہوں جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ جو دلوں کی گہرائیوں میں بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ ہمارا کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

کہنے لگی زلیخا اب کیا انتظار ہے — میرے قریب آؤ یہ دل سوگوار ہے
مالک کا خوف دل میں نظر میں حجاب ہے — اس کی گرفت سخت کڑا احتساب ہے
عورت نے پردہ ڈال کر بت کو چھپا دیا — نادان سمجھی اس سے ہے یوسف ڈرا ہوا
فرمایا" اسکا ڈر میرے قلب و جگر میں ہے — پردے ہوں لاکھ بھی سب اسکی نظر میں ہے
اللہ کے ہاتھ تاج نبوت کی لاج ہے — اس ساری کائنات پر خالق کا راج ہے
روزن سے ذوالمنان کی برہان دیکھ لی — یوسف نے اپنے رب کی عجب شان دیکھ لی

دل کو قرار مل گیا تشویش مٹ گئی
تقدیر سرفراز ہے تدبیر پٹ گئی

4- اللہ تو دیکھ رہا ہے ناں

مدینے کی بات ہے۔

عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومنوں کے خلیفہ ہیں۔ تعمیر اخلاق اور کردار سازی پر آپ بھرپور توجہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ہاتھ میں کوڑا لئے مدینے کی گلیوں میں پھر رہے تھے کہ ایک گھر کے سامنے کھڑے ہوگئے اور غور سے ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی بات چیت کو غور سے سننے لگے۔

ماں: بیٹی! دودھ میں جلدی سے پانی ملادو تا کہ اسے فروخت کے لئے بھیجا جا سکے۔

بیٹی: ''ماں! ہم دودھ میں پانی نہیں ملائیں گے''

ماں: ''کیوں بیٹی! دودھ میں پانی کیوں نہیں ملائیں گے؟''

بیٹی: ''ماں! یہ گناہ ہے اور اخلاقی جرم بھی ہے''

ماں: ''بیٹی! تمہیں کس نے بتایا ہے؟''

بیٹی: ماں! امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ کوئی آدمی دودھ میں پانی نہ ملائے ورنہ اسے سخت سزا دی جائے گی۔

ماں: بیٹی! امیر المؤمنین کون سا دیکھ رہے ہیں۔ ذرمت ملادے دودھ میں پانی۔

بیٹی: ماں! امیر المؤمنین دیکھ رہے ہوں یا نہ دیکھ رہے ہوں ایک ذات ایسی ہے جس کی نظروں سے ہمارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ میرے دل میں تو اس کا ڈر ہے۔

ماں: بیٹی! تم کس ذات کی بات کررہی ہو؟

بیٹی: ماں! میں خالق کائنات۔ مالک ارض وسموات۔ رب انس وجاں کی بات کررہی ہوں جس کی نظروں سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ ہزار پردے ہوں وہ دیکھتا ہے۔ وہ مالک تو انسانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔

ماں بیٹی کی باتیں سن کر خاموش ہوجاتی ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر ابن خطاب یہ مکالمہ سن کر خوش ہو جاتے ہیں۔ لڑکی کے کردار کی عظمت اور ایمان کی پختگی انکا دل موہ لیتی ہے۔ مکان کے دروازے پر نشان لگا کر گھر چلے جاتے ہیں اور اگلے روز اپنے بیٹے کیلئے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیتے ہیں جو قبول کرلیا جاتا ہے اسطرح وہ بلند کردار اور خوش نصیب لڑکی سیدنا عمر ابن خطاب کی بہو بن کر انکے گھر میں آجاتی ہے۔

5-احساس ذمہ داری

عرب کی کڑکڑاتی دھوپ.................دوپہر کا وقت.................آگ برساتا سورج

کون ہے یہ شخص جو شعلے برساتی ریت میں تیزی سے ادھر ادھر پھر رہا ہے!

کسی گم شدہ شے کی تلاش میں ہے.................!

اللہ اکبر! یہ تو امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں!

ایک شخص نے پہچان کر عرض کی۔"امیر المؤمنین! کس چیز کی تلاش میں ہیں۔ مجھے حکم فرمایئے"

امیر المؤمنین: بیت المال کا اونٹ کھو گیا ہے اسے تلاش کر رہا ہوں۔ بیت المال کا خادم میں ہوں اس کی حفاظت میری ہی ذمہ داری ہے۔ تم جاؤ آرام کرو اللہ کو میں نے جواب دینا ہے۔

ٹھنڈے کمروں میں داد عیش دینے والے کج کلاہو! آنکھیں کھولو۔ کیا تم نے اللہ کے حضور حاضر نہیں ہونا.................؟

6- جو نہیں سوتا وہ دیکھ رہا ہے

ایک بدکردار آدمی کا ایک عورت پر دل آ گیا۔ عورت اللہ کی نیک بندی تھی وہ اس سے بچ کر وقت بسر کرتی رہی۔ ایک رات وہ کسی ضرورت کیلئے گھر سے باہر نکلی تو وہ مرد اس کے پیچھے ہو لیا۔ عورت کو پتہ چل گیا۔ وہ رک گئی۔ مرد تیزی سے لپک کر اس کے قریب آ گیا وہ سمجھا عورت آمادہ ہے کہنے لگا:

مرد: "میں کب سے تمہارے سحر و فراق کی آگ میں جل رہا ہوں۔ میری حالت پر رحم کرو اور اپنے وصل کی خیرات سے میری جھولی بھر دو"

عورت: "(یہ بیہودہ کلام سن کر کانپتے ہوئے) خدا کے لئے رحم کرو!"

مرد: "میں تو خود تمہارے رحم و کرم کا محتاج ہوں"

مرد نے اپنا آزار بند کھول دیا۔ عورت نے جب محسوس کیا کہ اس ظالم سے چھٹکارہ ممکن نہیں تو اس نے آخری حربہ کے طور پر اسے کہا"

عورت: ''تمہارا کیا خیال ہے؟ سب لوگ سو چکے ہیں۔کوئی ہمیں دیکھنے والا نہیں''

مرد: ''(خوش ہو کر) ہاں! سب لوگ سو گئے ہیں۔تم فکر نہ کرو اب آ جاؤ!''

عورت: اگر کوئی جاگ رہا ہو اور وہ دیکھ رہا ہو تو پھر!''

مرد: پھر تو خطرناک بات ہے.................لیکن مجھے یقین ہے کوئی نہیں جاگ رہا

عورت: تمہارا اللہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔وہ بھی سو جاتا ہے؟

مرد: ''اللہ تو کبھی نہیں سوتا!''

عورت: ''جو نہیں سوتا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے''

یہ سن کر مرد کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔اس کی شہوت ختم ہو گئی اس نے عورت سے معافی مانگ لی اور اسے جانے کی اجازت دے دی اور پھر اسے کبھی تنگ نہ کیا۔

7-اللہ کا خوف

بنو اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا۔وہ بیمار ہو گیا اور کچھ کمانے کے قابل نہ رہا۔جب بچے بھوک سے بلکنے لگے تو اس نے اپنی بیوی کو کہیں سے کچھ مانگ لانے کیلئے بھیجا۔وہ عورت ایک تاجر کے دروازہ پر گئی اور سوال کیا۔تاجر اس تنہا اور بے کس عورت کو دیکھ کر بدنیت ہو گیا اور کہنے لگا:

تاجر: ''تم آج رات میرے ساتھ بسر کر لو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا''

عورت: ''میں پیٹ کی خاطر عصمت فروخت نہیں کروں گی''

تاجر: ''پھر بھاگ جاؤ۔یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا''

عورت گھر واپس لوٹ آئی۔بچے شدت سے ماں کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔جب ماں کو خالی ہاتھ لوٹتے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں ٹمٹماتے ہوئے امید کے چراغ بجھ گئے اور بھوک کے مارے وہ زمین پر لوٹنے لگے۔عورت یہ منظر برداشت نہ کر سکی پھر تاجر کے پاس گئی اور اس کی منت سماجت کرتے ہوئے بچوں کی حالت بیان کی۔تاجر نے پھر

وہی شرط پیش کر دی۔ عورت بے بس ہو گئی اور اس کا مطالبہ مان لیا۔

جب خلوت میں تاجر اس عورت کے قریب گیا تو وہ تھر تھر کانپنے لگی یوں معلوم ہوتا تھا کہ اسکے جسم کا ایک ایک جوڑ اکھڑ جائے گا۔ مرد پوچھنے لگا:

تاجر: ''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

عورت: ''اللہ کے خوف کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی ہے''

تاجر: ''افسوس! فقر و فاقہ کے باوجود تمہارے دل میں اللہ کا اس قدر خوف ہے۔ ایک میں بدنصیب ہوں کہ اللہ کی اتنی نعمتوں کے باوجود اس سے نہیں ڈرتا حالانکہ مجھے تو اپنے اللہ سے زیادہ ڈرنا چاہیے تھا''۔

تاجر نے عورت کو چھوڑ دیا اور بہت سا مال و دولت دے کر اس کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ اللہ کی نیک بندی اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی گھر لوٹ گئی۔

8- اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے

ایک ظالم شخص نے ایک عورت کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ میں اس کے بال تھے اور دوسرے ہاتھ میں خنجر۔ دہشت زدہ عورت بے چاری چلا رہی تھی۔ کسی آدمی کو اس بدمعاش سے باز پرس کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی دوران حضرت بشر حافی کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ بلاخوف و خطر اس آدمی کے قریب تشریف لے گئے اور اس کے شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہو گئے اور اپنا منہ اس کے کان کے ساتھ لگا دیا۔ لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا اس شخص نے عورت کے بال چھوڑ دیئے اور زمین پر گر پڑا۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر بھی دور جا گرا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ شخص بے ہوش ہو چکا تھا اور اس کے جسم سے پسینے چھوٹ رہے تھے عورت حضرت بشر حافی کے اشارہ پر وہاں سے چلی گئی اور وہ خود بھی تشریف لے گئے وہ بدمعاش کافی دیر تک عقل و خرد سے بے گانہ وہاں پڑا رہا۔ جب اس کو ہوش آیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خاموشی سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔ لوگوں نے اسے روک کر پوچھا:

لوگ: ''بتاؤ تم پر کیا گذری؟''

بدمعاش: مجھے خود سمجھ نہیں آئی کیا ہوا تھا؟

لوگ: ''جانتے ہو وہ بزرگ کون تھے؟''

بدمعاش: ''مجھے معلوم نہیں! بس اتنا جانتا ہوں کہ جب وہ میرے مقابل آئے تو میرے اوپر لرزا طاری ہو گیا تھا۔''

لوگ: ''وہ اللہ کے ولی حضرت بشر حافی تھے۔''

بدمعاش: ''میں بہت شرمندہ ہوں کہ انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا اب تو میں ان کا سامنا بھی کرنے کے قابل نہیں رہا۔''

لوگ: ''انہوں نے تمہارے کان میں کیا کہا تھا؟''

بدمعاش: ''انہوں نے فرمایا تھا:

''اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ تو کہاں اور کیا کر رہا ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو بخار ہو گیا اور ایک ہفتہ کے اندر اس کی موت واقعہ ہو گئی۔

9- اللہ ہے نا!

کئی سال کی ناکامیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دسمبر 1971ء میں حج بیت اللہ شریف کے لئے قرعہ اندازی میں میرا نام نکل آیا۔ پاکستان سے حجاج کو لیجانے والا آخری بحری جہاز سفینۂ عابد تھا جس میں ہمیں جگہ ملی۔ میرے ساتھ والدہ محترمہ، چچا محترم اور میری اہلیہ تھیں۔ میرے ایک عزیز دوست ابوالحسن ضیاء صاحب بہت پہلے چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے جس معلم کا انتخاب کیا اس کا نام ''شاکر سکندر'' تھا مجھے بھی مشورہ دیا کہ میں بھی شاکر سکندر کو ہی معلم منتخب کروں اور وعدہ کیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہمارے لئے رہائش کا تسلی بخش انتظام کر لیں گے اور ہمارے استقبال کیلئے جدہ موجود ہوں گے۔ مجھے اس پیش کش سے یک گونہ اطمینان حاصل ہو گیا چنانچہ جہاز پر سوار ہونے سے قبل میں نے شاکر

سکندر کو اپنا معلم نامزد کر دیا اور ان کے بیٹے احمد سکندر سے ملاقات بھی کی اور ان کا کچھ خشک پھل بھی اپنے ساتھ کراچی سے مکہ لے گیا۔

جدہ بندرگاہ پر سفینۂ عابد لنگر انداز ہوا تو شدید بارش ہو رہی تھی۔ ابوالحسن ضیاء صاحب کا شدت سے انتظار تھا لیکن وہ نہ آئے۔ کس طرح سامان لے کر حاجی کیمپ پہنچا یہ الگ داستان ہے۔ حاجی کیمپ میں بھی آنکھیں گیٹ پر ہی لگی رہیں لیکن ضیاء صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ دوسرے روز جدہ سے مکہ لے جانے کیلئے معلم کی دو گاڑیاں آئیں لیکن حجاج کی تعداد کہیں زیادہ تھیں۔ سامان شدید بارش کی وجہ سے کافی خراب ہو چکا تھا اور راشن کے دو ٹنگ تو مل ہی نہ سکے۔ بس نے محلّہ جیاد میں معلم شاکر سکندر کے مکان سے کچھ فاصلہ پر اتار دیا۔ معلم کے مکان پر پہنچ کر وضو کیا اور معلم کی طرف سے مقرر کئے گئے مطوّف کے ساتھ ارکان عمرہ کی ادائیگی کے لئے کعبۃ اللہ میں گئے۔ اللہ کے گھر پر نظر پڑی تو دل جلال خداوندی سے لرز کر رہ گیا۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو یوں معلوم ہوا جیسے یوم حساب آ گیا۔ ہم مطوف کا ساتھ نہ دے سکے کیونکہ والدہ کمزور تھیں اور چچا محترم معذور تھے اس لئے آرام سے تمام ارکان خود ہی ادا کئے۔ جب فارغ ہوئے تو کچھ پتہ نہ چلا کہ کس دروازہ سے داخل ہوئے تھے۔ جوتیاں نہ مل سکیں اور ننگے پاؤں معلم کے مکان پر پہنچے سورج نکل چکا تھا۔ بازار سے مٹی کا تیل لاکر چولہا گرم کیا۔ اہلیہ نے صحن کے ایک کونے میں سیڑھیوں کے نیچے گیلری میں ناشتہ تیار کیا۔ ابھی ناشتہ سے بمشکل فارغ ہی ہوئے تھے کہ معلم کے کارندوں سے ابوالحسن ضیاء صاحب کے بارے میں استفسار کیا لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔

میں پریشان ہو گیا تھا۔ ایک گھنٹے میں بھلا کیا ہو سکتا تھا! گھر والوں کو چھوڑ کر محلّہ مسفلہ چلا گیا۔ وہاں کھیوڑہ کے حاجی اللہ دتہ وغیرہ کچھ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا کمرہ تلاش کرنے میں بے حد پریشانی کا سامنا کرنا پڑا البتہ کمرہ مل ہی گیا۔ میں گیا تو اس ارادہ سے تھا کہ ان سے رہائش کے بارے میں کچھ مدد طلب کروں گا لیکن وہاں جا کر جو حالات دیکھے تو

حوصلہ ہار بیٹھا۔ ایک کمرہ میں 8 مرد اور 4 عورتیں تھیں۔ حاجی اللہ دتہ صاحب سے مل کر حرف مدعا زبان پر لائے بغیر ہی واپس چلا آیا۔ اب تو میری پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ اب واقعی'' نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن'' والا معاملہ تھا۔ میں پیدل محلّہ مسفلہ سے محلّہ جیاد جا رہا تھا۔ مجھے باب عبدالعزیز کے سامنے سے گزرنا تھا۔ جس زمانے کی میں بات کر رہا ہوں باب عبدالعزیز کے بالکل سامنے سڑک تھی اب صورت حال بالکل مختلف ہے۔ میں اپنے تفکرات میں ڈوبا چلا آ رہا تھا کہ میرا گزر باب عبدالعزیز کے سامنے سے ہوا۔ نظر دروازے کی طرف اٹھی اور دروازے سے چار بڑے بڑے نیلے رنگ کے پتھروں سے بنے ہوئے اس گھر سے جا ٹکرائی جسے آدمؑ نے' پھر ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے اور پھر تاج دار عرب و عجم نے تعمیر کیا تھا۔ وہ لمحہ بھی بڑا عجیب تھا.................زندگی کا حاصل!

میرے دل میں چلتی ہوئی تفکرات کی آندھیاں تھم گئیں۔ قلب میں ایک گہرا سکون اتر آیا۔ نظر پلٹ آئی میں پھر چل پڑا۔ دل میں فیصلہ کر لیا کہ معلم کے مکان سے سامان اٹھا کر سڑک پر بیٹھ جاؤں گا جہاں پہلے بھی کئی لوگ ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ پہلے میرے دل کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ میں ضرور کسی سے الجھ پڑتا۔ معلم کے کارندوں سے یا پھر اپنی بیوی سے۔ ابوالحسن ضیاء سے بھی سخت شکایت تھی۔ اب نہ کسی سے گلہ رہا نہ شکوہ! معلم کے مکان پر پہنچا تو سامان کمرے سے باہر تھا۔ میری بیوی نے مجھے دیکھتے ہی عین عالم پریشانی میں پوچھ لیا

''کیا مکان مل گیا؟''

میں نے اس کا دل رکھنے کیلئے کہہ دیا''

''ہاں! مل گیا۔''

''پھر چلیں؟''

''ہاں چلو!''

"سامان اٹھا کر چل پڑے۔ ابھی گلی میں ہی تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"نسیم صاحب ٹھہریں۔ بات سنیں"

چلتے چلتے قدم رک گئے۔ آواز دینے والا ایک نوجوان تھا۔ خوبصورت خوش لباس۔ آتے ہی سلام کیا اور کہنے لگا"

"آپ کو مکان کی ضرورت ہے؟"

"ہاں! ضرورت تو ہے!"

قبل اس کے کہ وہ نوجوان اگلا سوال پوچھتا میری بیوی بول پڑی۔

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ مکان مل گیا ہے"

میں نے ہنس کر خوش دلی سے کہا۔ "مل نہیں گیا!"

نوجوان پھر گویا ہوا۔ "مکان زیادہ دور تو نہیں لیکن چڑھائی ہے بہتر ہے کوئی گاڑی لے لیں"

اس نے خود ہی ایک گاڑی کو روکا۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ میں ہم مکان کے سامنے تھے۔ مکان چار منزلہ تھا۔ نوجوان نے دوسری منزل پر ایک کمرہ دکھایا لیٹرین ساتھ تھی۔ مجھے پسند آ گیا چار سو ریال کرایہ طے ہوا وہ میں نے ادا کر دیا۔ نوجوان نے چابی مجھے دے دی۔ اسی گاڑی پر ہم واپس گئے۔ نوجوان نے گاڑی میں سامان رکھوایا۔ جب گاڑی روانہ ہونے لگی تو میں نے نوجوان کو قریب بلایا اور پوچھا۔ "برخوردار! تم مجھے کیسے جانتے ہو؟ کہنے لگا: میں معلم شاکر سکندر صاحب کا نواسہ ہوں۔ کالج میں پڑھتا ہوں۔ فارغ وقت میں یہ شغل کرتا ہوں۔ یہ عمارت میں نے مالک سے لے رکھی ہے اور کرایہ پر حاجیوں کو دیتا ہوں۔ میرا کالج کا خرچ نکل آتا ہے۔ ابھی ابھی ماموں احمد سکندر کراچی سے آئے ہیں۔ آپ کے بارے میں مجھے انہوں نے ہی بتایا ہے۔

دوسرا باب

درود پاک کی عظمتیں

انسان تو انسان اللہ کے رسول پر اللہ کے ملائکہ اور خود خالق ارض وسموات درود بھیجتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا انسان پر ایک ارشاد خداوندی کے مطابق لازم قرار دیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں درود پاک کے بیشمار فضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

چند واقعات ”مشتے از خروارے“ پیش خدمت کئے جا رہے ہیں۔

1- حضورؐ کے چہرہ پر بشاشت

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدسؐ بہت ہی بشاش تشریف لائے۔ چہرہ مبارک خوشی سے کھل رہا تھا صحابہؓ نے عرض کی: ”یارسول اللہ! آج آپ بہت خوش ہیں۔“

فرمایا: ”ہاں! آج میں بہت خوش ہوں۔ میرے پاس میرے رب کا پیغام آیا ہے کہ تیری امت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود پڑھے گا' اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دے گا' دس گناہ معاف کر دے گا اور اس کے دس درجے بلند کر دے گا۔“

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ ہر درود بھیجنے والے کے لئے قیامت تک دعا کرتا رہے گا۔

2- نیکیوں کا پلڑا

قیامت کے روز جب اعمال کا وزن کیا جائے گا تو ایک شخص ایسا ہوگا جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور گناہوں کا بھاری۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک چھوٹا سا کاغذی ٹکڑا اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیں گے جس سے یہ پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

وہ شخص پوچھے گا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت اور سیرت کیسی اچھی ہے!"

حضورؐ فرمائیں گے: "میں تیرا نبی ہوں اور یہ کاغذ جو ابھی میں نے رکھا ہے تیرا وہ درود ہے جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا میں نے تیری حاجت کے وقت اس کے ذریعے تیری مدد کر دی۔" حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھیجے گئے درود کی وجہ سے اسے جنت نصیب ہو جائے گی۔ (تفسیر قشیری)

3- شرابی کی مغفرت

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ان کا ایک پڑوسی بہت بڑا گناہگار تھا۔ شراب تو اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ہر وقت شراب کے نشہ میں مست رہتا تھا۔ نہ اس کو دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ میں اس کو نصیحت کرتا تو سنتا نہ تھا۔ میں اسے توبہ کی تلقین کرتا تو دھیان نہیں دیتا تھا۔

جب وہ مر گیا تو ایک روز میں نے اسے خواب میں دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جنت کے ایک اعلیٰ مقام پر موجود ہے۔ جنت کا لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا: "تو جنت کے اس اعلیٰ مقام پر کیسے پہنچ گیا؟"

وہ کہنے لگا: "بس! یہ مجھ خطا کار پر اللہ کا کرم ہے۔"

میں نے پوچھا: "وہ کس طرح؟"

وہ کہنے لگا: ایک روز میں نے نشہ نہ کیا اور محدث کی محفل میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ احادیث بیان کر رہا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ جو شخص خلوص نیت سے اللہ کے رسولؐ پر اونچی آواز میں درود پڑھے اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ محدث کی یہ بات سن کر اس مجلس میں سے سب سے پہلے میں نے اونچی آواز میں درود پڑھا۔ بعد میں دوسرے لوگوں نے بھی درود پڑھا۔ اس پر ہم سب کی مغفرت ہو گئی۔

4۔ پورے قبرستان سے عذاب دور

ایک عورت کا لڑکا بہت گنہگار تھا۔ وہ اسے بار بار نصیحت کرتی مگر لڑکے پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ وہ اپنے لڑکے کی بے راہ روی کی وجہ سے بہت پریشان رہتی تھی۔ اسی حال میں اس لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ نہ وہ اپنے برے اعمال سے باز آیا نہ توبہ کی۔ ماں کی ماری ماں کو اس بات کا بڑا دکھ تھا۔ اس کے دل میں شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ اس کی یہ آرزو پوری ہوگئی اور اس نے اپنے لڑکے کو خواب میں دیکھ لیا لیکن اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کے باعث اس کی پریشانیوں میں کمی کے بجائے اضافہ ہوگیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اس نے دوبارہ اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا۔ اس کی حالت بہت اچھی تھی اور وہ خوش و خرم تھا۔ ماں نے اس سے پوچھا: "پہلے میں نے تمہیں عذاب میں مبتلا دیکھا تھا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟"

لڑکا: "اس کی وجہ میرے برے اعمال تھے۔"

ماں: "اب کیا ہوگیا؟"

لڑکا: "ماں! یہ سب دعا اور درود پاک کی برکت ہے۔"

ماں: "وہ کیسے؟"

لڑکا: "ایک روز ایک گنہگار شخص ہمارے قبرستان کے قریب سے گزرا۔ قبریں دیکھ کر اچانک اس پر عبرت طاری ہوگئی اور اس نے سچے دل سے توبہ کرلی اور رونے لگا۔"

ماں: "پھر کیا ہوا؟"

لڑکا: "وہ وہاں بیٹھ گیا۔ پہلے قرآن پاک کی تلاوت کی اور پھر درود پاک پڑھتا رہا اور قبرستان والوں کی مغفرت کی دعا کی۔ اس سے مجھے جو حصہ ملا یہ اس کا اثر ہے جو آپ دیکھ رہی ہیں۔"

ماں: ''سبحان اللہ''

بیٹا: ''ماں! درود دلوں کا نور ہے.................گناہوں کا کفارہ ہے زندہ اور مردے دونوں کیلئے رحمت ہے..................''

5-بغداد کے وزیر علی بن عیسٰی کے نام

ابوبکر بن مجاہد بغداد کے بڑے عالموں میں سے گذرے ہیں۔ ان کے پاس تلامذہ کا ہجوم رہتا تھا۔ محمد بن مالک بھی ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ ایک روز وہ درس میں شامل تھے کہ ایک بزرگ آدمی جن کے سر پر ایک پرانا عمامہ تھا ابوبکر مجاہد کے پاس آئے۔ ان کو دیکھ کر ابوبکر کھڑے ہوگئے اور ان کو عزت و احترام کے ساتھ اپنی نشست پر بٹھایا اور آمد کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ رات میرے گھر میں بچہ پیدا ہوا۔ گھر میں تو کچھ موجود نہیں تھا اور گھر والوں نے گھی اور شہد کی ضرورت پیش کر دی۔ رات تو جوں توں کر کے گزار دی۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ واقعہ سن کر ابوبکر بن مجاہد کو دکھ ہوا اور ان پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔ خواب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا رنج مت کر علی بن عیسٰی کے پاس چلا جا اور اسے میری طرف سے کہہ دے کہ اس ضرورت مند کو سو دینار دے دے اگر وہ علامت پوچھے تو اسے کہنا کہ تو حضورؐ پر ہر رات ایک ہزار مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اس جمعہ کی رات تو نے سات سو مرتبہ درود پڑھا تھا کہ تجھے خلیفہ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ باقی تعداد تو نے وہاں سے واپس آ کر پوری کی۔ علی ابن عیسٰی نے خادم کو اشرفیوں کی ایک تھیلی لانے کو کہا جب وہ لے کر حاضر ہوا تو علی ابن عیسٰی نے اس میں سے سو سکے نکال کر اس آدمی کو دے دیئے۔

پھر سو سکے نکال کر ابوبکر بن مجاہد کی خدمت میں پیش کر دیئے اور کہا کہ یہ آپ کی اس تکلیف کے بدلہ میں ہیں جو آپ نے یہاں تک آنے میں اٹھائی۔ پھر سو سکے نکال کر پیش کر دیئے کہ یہ اس خوشی میں کہ میرا درود میرے آقا تک پہنچتا ہے۔ پھر سو سکے نکال دیئے

اور کہا کہ یہ سو سکے اس خوشی میں کہ میرے حضورؐ اقدس نے اس خدمت کے لئے اس غلام کو منتخب فرمایا ہے۔

اس طرح علی ابن عیسیٰ نے تھیلی خالی کر دی۔ لیکن ابو بکر بن مجاہد نے کہا ہم اس مقدار سے زیادہ نہیں لیں گے جس کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعین فرما دیا ہے۔

6- باپ کا چہرہ سیاہ ہو گیا

حضرت امام غزالی نے ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ عبدالواحد بن زید جو بصرہ کے رہنے والے تھے حج پر جا رہے تھے کہ ایک نوجوان ان کا ہم سفر ہو گیا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے بڑی کثرت سے درود پاک پڑھتا تھا۔ ابن زید نے جب اس کثرت سے درود پڑھنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کئی سال قبل جب میں اپنے باپ کے ساتھ حج کے لئے آیا تھا تو میرے باپ کا راستہ میں انتقال ہو گیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو میں سویا ہوا تھا خواب میں مجھے کسی نے بتایا کہ تیرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔ میں بہت پریشان ہو گیا۔ زار و قطار روتا تھا اور سر پیٹتا تھا۔ اسی عالم میں روتے روتے پھر سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ چار کالے حبشی جن کے ہاتھ میں لوہے کے بڑے بڑے ڈنڈے تھے میرے باپ پر مسلط کر دیئے گئے ہیں۔ اتنے میں ایک بزرگ تشریف لائے چہرہ بے حد حسین سبز لباس پہنے ہوئے۔ انہوں نے ان حبشیوں کو ہٹا دیا اور اپنے دست مبارک کو میرے باپ کے منہ پر پھیرا اور مجھے ارشاد فرمایا کہ اٹھ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کا چہرہ سفید کر دیا ہے۔

میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں؟

فرمایا میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کا نبی ہوں۔

جب میں بیدار ہوا تو میرے باپ کا چہرہ سفید ہو چکا تھا اس کے بعد میں نے درود کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔

7- سبز گنبد کا کنگرہ

ہندوستان میں ایک ریاست جونا گڑھ تھی۔ اسی کے ایک شہر کتیانہ میں ایک شخص رہتا تھا۔ سنگ تراشی اس کا پیشہ تھا۔ پکا عاشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجا کرتا تھا۔ پنجابی کا محاورہ ہے "ہتھ کار ول تے دل یار ول" یعنی ہاتھ تو اپنے کام میں لگے رہیں لیکن دل دوست کی طرف متوجہ رہے بالکل یہی حال اس سنگ تراش کا تھا۔ ہاتھ پتھر تراشتا رہتا اور زبان سے درود و سلام کے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔ درود و سلام کی مشہور کتاب دلائل الخیرات اسے زبانی یاد تھی۔ اس کا معمول تھا کہ ایک پتھر کی تراش خراش کرتا اور ایک باب دلائل الخیرات کا پڑھ لیتا۔ اس کی یہ ادا تاج دار عرب و عجم کو بہت پسند تھی۔

حج کا زمانہ آیا اور عشاق کے قافلے حرمین شریفین کی طرف روانہ ہونے لگے تو اس کے دل سے بھی ہوک اٹھی کہ محبوب رب العلمین کے در پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کروں۔ اس کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ بستر پر لیٹتے ہی آنکھیں بند ہوئیں تو دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا کہ مدینہ منورہ میں حاضر ہے۔ مسجد نبوی میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہ سامنے بیٹھا ہے۔ اللہ کے رسول اچانک اس کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں "وہ دیکھو! ہمارے نور یار مینار کا ایک کنگرہ ٹوٹا ہوا ہے۔ تم اسے مرمت کردو"۔

نیک بخت بیدار ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اچھی طرح یاد تھا۔ مدینے کا دعوت نامہ مل چکا تھا آنکھوں میں آنسو آگئے کیونکہ اس کے پاس مدینہ پہنچنے کے وسائل نہیں تھے۔ عشق نے ڈھارس بندھائی۔ بے تاب تمناؤں نے حوصلہ دیا۔ ہتھیار تھیلے میں ڈالے۔ درود پاک کو ورد زبان بنایا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ رخ "پور بندر" کی طرف تھا۔ ادھر کی سنئے پور بندر پر بحری جہاز مدینہ جانے کیلئے تیار کھڑا تھا۔ جب تمام مسافر سوار ہو گئے

تو لنگر اٹھائے گئے۔ کپتان نے جہاز کو چلانا چاہا لیکن جہاز نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ دیوانہ "پور بندر" کی طرف رواں دواں ہے سفینہ بندرگاہ پر تیار کھڑا ہے۔ مسافر پورے ہو چکے ہیں لیکن باوجود کوششوں کے جہاز حرکت نہیں کرتا۔ جہاز کے عملے میں سے کسی کی نظر دور سے آتے ہوئے اس مسافر پر پڑتی ہے۔

مسافر کون ہے؟

مسافر وہی عاشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو جھومتا ہوا دلائل الخیرات کا ورد کرتا چلا آتا ہے۔ عملہ والوں نے سمجھا کوئی مسافر باہر رہ گیا ہے جہاز کا دروازہ کھول دیا گیا۔ عاشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوار ہو گیا۔ اس کے سوار ہوتے ہی جہاز چل پڑا۔ کسی نے کرایہ مانگا نہ ٹکٹ پوچھا۔ عاشق مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ خدام بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ بلانے والے نے ان کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا اور آنے والے کا حلیہ بھی بتا دیا تھا۔ عاشق صادق نے گنبد خضریٰ اور مینار پر نظر ڈالی تو خواب میں دیکھے ہوئے کنگرہ کو واقعی شکستہ پایا۔ صادق اوپر چڑھ گیا۔ کنگرہ کی مرمت شروع کر دی۔ ادھر کنگرہ مکمل ہوا ادھر اس کی روح قفس عنصری سے آزاد ہو گئی۔ نیچے صرف جسم اتارا جا سکا روح تو سبز گنبد کی رعنائیوں پر نثار ہو چکی تھی۔

تیسرا باب

عشقِ رسول ﷺ

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ تبارک وتعالٰی علامہ اقبال کو اجر عظیم عطا فرمائے کیا پتے کی بات کہہ گئے ہیں۔

واقعی جسے یہ لذت آشنائی حاصل ہو جائے وہ سوائے اپنے محبوب کی ذات کے ہر چیز سے بیگانہ اور دست بردار ہو جاتا ہے دنیا کی قیمت اسکی نظروں میں پر کاہ کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ اسکے دل و دماغ اور عقل وخرد میں ایک اور صرف ایک سودا سما جاتا ہے کہ جو پیمان وفا باندھا ہے اس پر حرف نہ آ جائے۔ نہ اس کی آنکھوں میں مال و زر کی کوئی قدر و منزلت ہوتی ہے اور نہ جاہ و اقتدار کی۔

صحابہ کرام نے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ جب پیمان وفا باندھا تو اس پر کبھی حرف نہ آنے دیا۔ انہوں نے وفاداری اور اطاعت شعاری کے ایسے ان مٹ نقوش صفحۂ روزگار پر ثبت کیے کہ ان کی آب و تاب اور زیب و زینت پندرہ صدیاں بیت جانے کے باوجود کم نہ ہوئی۔ آئندہ چند صفحات میں لذت آشنائی سے سرمست غلامان مصطفٰے کی دو عالم سے بیگانگی کے واقعات مطالعہ فرمائیے۔

1- پہلا خطیب

دار ارقم میں خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اس سلسلہ میں بھرپور معاونت کر رہے تھے۔ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ ان میں سے اکثر کو آپ نے لات و منات کی فسوں کاریوں سے نکال کر خالق کائنات کی بارگاہ ربوبیت میں جھکا دیا تھا۔

جب کم و بیش چالیس خوش نصیب افراد دولت ایمان سے اپنے قلوب کو منور کر چکے تو صدیق اکبرؓ کی غیرت دینی نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اب چھپ کر خالق کائنات کی عبادت کی جائے۔ اس لئے ایک روز اپنے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کی کہ اب بجائے چھپ کر عبادت کرنے کے ہمیں کھلے بندوں بیت اللہ شریف میں عبادت کرنی چاہیے اور فریضۂ تبلیغ بھی کھل کر ادا کرنا چاہیے۔ کریم آقا نے اس تجویز سے اس بنا پر اتفاق نہ فرمایا کہ اہل ایمان کی تعداد کم تھی۔ لیکن صدیق اکبر کا جوش ایمان اور جذبۂ صادق بار بار انہیں مجبور کرتا کہ اپنے آقا کے حضور اپنی عرضداشت پیش کریں۔ اصرار جاری رہا تو ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرما دی۔

ایمان والے دارارقم سے نکل کر اللہ کے پاکیزہ گھر میں جا پہنچے اور صحن کعبہ میں اپنے اپنے قبیلوں میں جا بیٹھے۔ جب سارے مسلمان پہنچ گئے تو روح جان کائنات بھی پہنچ گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر کھڑے ہو گئے۔ پاکیزہ دین متین کا پہلا پاک باز خطیب خالق ارض و سموات کے حضور ہدیہ عبودیت پیش کرنے کو بے تاب تھا۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور رسول مقبول کی طرف سے دعوت کا آغاز کرتے ہوئے توحید و رسالت کا درس شروع کیا اور لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دی۔ مشرکین پہلے تو سن کر دم بخود رہ گئے پھر غصہ میں بے قابو ہو کر مبلغ اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ کفار کے مشتعل ہجوم نے شمع رسالت کے اس پروانے کو مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ لاتوں سے مار رہے تھے۔ پاؤں سے کچل رہے تھے اور پھر کچھ شریر ڈنڈوں اور جوتوں سے مارنے لگے۔ انبیاء کے بعد سطح ارضی پر سانس لینے والے انسانوں میں سب سے افضل انسان دین حق کے لئے پٹ رہا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ بدبخت نے اپنے بھاری جوتے اتار لئے۔ صدیق اکبرؓ کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور انکے چہرہ پر مسلسل ضربیں لگانا شروع کر دیں جس سے ان کا چہرہ سوج گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا چہرہ اس طرح سوج گیا تھا کہ ناک علیحدہ نظر ہی نہ آتی تھی۔

اللہ! اللہ! اتنے جبر وتشدد کے باوجود جب تک ہوش میں رہے نہ زبان پر شکوہ تھا نہ شکایت۔ زبان پر تو احد و احمد کی صدائیں تھیں۔ عشق میں یوں ہی ہوا کرتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کیسا شکوہ شکایتیں کیسی ضبط لازم ہے آدمی کے لئے
درد کی چوٹ جو اٹھا نہ سکے دل مناسب نہیں وہ عاشق کے لئے

سیدنا صدیق اکبر کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ قبیلہ کے وقار کی خاطر انہیں اٹھا کر گھر لے جاتے ہیں اور بیت اللہ میں اعلان کر جاتے ہیں کہ اگر ابوبکر کی موت واقعہ ہوئی تو بدلے میں عتبہ بن ربیعہ کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ گھر جا کر بھی ان کو ہوش نہیں آتی۔ ماستا کی ماری ماں صدقہ سے نڈھال ہے۔ نابینا باپ بیٹی سے لگا بے حس و حرکت جسم پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ زندگی کی صرف ایک علامت ہے کہ نبض چل رہی ہے لیکن بہت آہستہ۔ سارا دن بے ہوشی میں گذر جاتا ہے۔ مرہم پٹی کی جا چکی۔ ادھر سورج غروب ہوا۔ ادھر صدیق اکبر کے حواس کسی حد تک بحال ہوئے۔ آنکھیں کھولیں تو زبان پر جو پہلا سوال آیا وہ حضورؐ کے بارے میں تھا۔ کہہ رہے تھے۔

لوگو! بتاؤ میرے آقا پر کیا گذری؟ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ قبیلہ کے افراد جو ابھی تک وہاں موجود تھے یہ سوال سن کر ناراض ہونے لگے کہ جس کی وجہ سے اس کا یہ حال ہوا ہے اس کی اب بھی فکر لگی ہوئی ہے۔ ان نادانوں کو کیا خبر کہ عاشق صادق کو آبلوں میں سے نوک سوزن سے کانٹے نکالنے میں کس قدر لذت حاصل ہوتی ہے! شمع پر جل مرنے کی لذت تو صرف پروانہ ہی جانتا ہے۔ پھول کی قدر بلبل کو ہوا کرتی ہے۔ گدھ کیا جانے مہک کیا چیز ہے؟

ان نادانوں کو کیا خبر کہ

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت کا کچھ مزا ہی نہیں

قبیلہ کے لوگ رخصت ہو گئے۔ رات گہری ہو گئی۔ جب اچھی طرح ہوش میں آ گئے تو ماں نے پینے کے لئے دودھ دیا۔ یہ کہہ کر دودھ پینے سے انکار کر دیا کہ جب تک اپنی آنکھوں سے اپنے آقا کو نہیں دیکھ لوں گا کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ ماں اگرچہ ابھی تک کفر پر قائم تھی لیکن ماں تھی۔ وہ حضرت عمر کی بہن ام جمیل کو بلا کر لے آئی اور دونوں سہارا دے کر دار ارقم کی طرف لے چلیں۔ حالت یہ تھی کہ پاؤں زمین پر نہ جمتے تھے زمین پر گھسیٹتے چلے آ رہے تھے۔ اسی عالم میں دار ارقم پہنچے۔ حضور کو دیکھ کر بے تابانہ طور پر ان کے قدموں پر گر پڑے۔ کج پال آقا غلام کی یہ حالت دیکھ کر بے حد پریشان ہوئے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے بے اختیار اپنے کوثر و تسنیم سے پاکیزہ لب ابوبکر کے ان رخساروں پر رکھ دیئے جو مشرکین کی ضربوں سے پھولے ہوئے تھے۔

قارئین کرام!

دیکھا آپ نے! لذت آشنائی نے کس طرح سیدنا صدیق اکبرؓ کو ہر چیز سے بیگانہ کر دیا تھا۔

نہ موت کی پرواہ.................

نہ بھوک پیاس کا خیال.................

نہ زخموں کی خبر.................

2- تیرے در کی غلامی.................

زید بن حارث ایک غلام تھے.................

سیدہ خدیجہ طیبہ طاہرہ نے خرید کر حضورؐ کی خدمت پر مامور کر دیا۔ دن رات اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آقا کو دیکھا' پہچانا اور آقا کی محبت کو انگ انگ میں بسا لیا۔ آقا کی محبت غلام کی روح کی گہرائیوں میں اتر گئی۔

زندگی کا لطف دوبالا ہو گیا.................

اسی کیفیت کو اقبال نے لذت آشنائی کا نام دیا ہے۔ باپ اور چچا تلاش کرتے ہوئے مکہ پہنچ گئے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لڑکپن میں بردہ فروش اٹھا کر لے گئے تھے اور فروخت کر دیا تھا۔ بکتے بکتے مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چوکھٹ تک آ پہنچے.......... بخت یاور تھے زید کے والد حارث بیٹے کے غم میں دیوانگی کی حدوں تک پہنچ چکے تھے۔

در مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جا کر دستک دی..................

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمد کا مقصد پوچھا..................

مدعا بیان کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا۔ زید آئے۔ ایک اجنبی نظر باپ اور چچا پر ڈالی اور سر جھکا کر اپنے آقا کے سامنے جا کھڑے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی تو باپ اور چچا سے ملاقات کی............

حارث نے زید کی واپسی کا مطالبہ کیا..................

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول کر لیا..................لیکن..................

عاشق صادق نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا..................کیوں؟

اس لئے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در کی غلامی انہیں جہان بھر کی آزادیوں سے برتر معلوم ہوئی۔

پھر لج پال آقا نے..................

زید کو غلامی سے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا

باپ اور چچا یہ مناظر دیکھ کر خوشی خوشی واپس چلے گئے۔

3- حضور سے لپٹ گئے

بدر کا میدان کارزار شروع ہونے والا ہے۔ صفیں بن رہی ہیں۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاہدین اسلام کی صفیں درست فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے ہاتھ میں ایک تیر ہے اس سے صفیں سیدھی کر رہے ہیں اگر کوئی مجاہد صف سے آگے نکلا ہوا نظر آتا ہے تو تیر سے اسے ہلکا سا کچوکا دے کر سیدھا کر دیتے ہیں۔ ایک صحابی سوادؓ بن غزیہ اپنی صف سے ذرا باہر نکلے ہوئے نظر آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو تیر کا ہلکا سے کچوکا دے کر فرمایا ''صف میں برابر کھڑے ہو جاؤ۔''

وہ صحابی کہنے لگے:

''حضور! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اتنی تکلیف مجھے دے کر بدلہ لے سکتے ہو۔''

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیر ان کی طرف بڑھا دیا۔ سواد کہنے لگے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جب آپ نے میرے جسم پر تیر کا کچوکا دیا تو میرا جسم ننگا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پر تو کرتا ہے۔''

(صحابہؓ یہ سن کر غصہ میں کھولنے لگے۔ ان میں سے اکثر کے ہاتھ تلوار کے دستہ پر جا پہنچے۔ اگر ان کا بس چلتا تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر تن سے جدا کر دیتے۔

حضورؐ: (اپنے جسم سے کرتہ ہٹا کر) لو! اب میرا جسم بھی کرتہ کے بغیر ہے تم اس پر کچوکا لگا سکتے ہو۔''

حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے آگے بڑھے اور حضورؐ کے پیٹ پر بوسے دینے لگے اور بغل گیر ہو گئے۔ اپنے جسم کو بار بار حضورؐ کے جسم کے ساتھ مس کرنے لگے۔

حضورؐ نے فرمایا: سواد! تمہیں اس حرکت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟

حضرت سوادؓ: اے اللہ کے پاک رسول! میری ہمیشہ یہ دلی خواہش رہی کہ میرا جسم حضور کے جسم سے مس کر جائے۔ آج میں نے یہ حیلہ اس لئے کیا کہ جنگ کا جو مرحلہ در پیش ہے اس کے وقوع پذیر ہونے سے قبل میری جلد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلد سے مس کر جائے تاکہ اگر میں اس میدان میں مارا جاؤں تو یہ حسرت لے کر نہ جاؤں نیز میں

یہ چاہتا تھا کہ اس دنیا میں میرا آخری عمل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معانقہ ہوتا''۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعا فرمائی۔

ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار دھوکہ سے پکڑ کر لے گئے۔ ان کو قید کر دیا اور اذیتیں دیتے رہے۔ آخر ان کو پھانسی کی سزا دینے کا فیصلہ ہوا۔ جب ان کو مقتل میں لے جایا گیا تو ایک کافر کہنے لگا:

''زید! اب تو تم کہتے ہو گے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہاری جگہ پھنس گئے ہوتے اور تم آرام سے اپنے گھر سو رہے ہوتے''۔

یہ سن کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے:

خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ میری جان بچ جائے اور اس کے بدلہ میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔''

دیکھا! یہ ہے سچا عشق۔ یہ ہے جذبۂ فدائیت۔ جان جا رہی ہے لیکن پرواہ نہیں۔ اگر فکر ہے تو صرف اس بات کی کہ جو پیمان وفا باندھا تھا اس پر حرف نہ آئے۔ اسی جذبہ کا نام علامہ اقبال مرحوم نے ''لذت آشنائی'' رکھا ہے۔

4- آپ سلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے وہ احد میں شہید ہوئے تو یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ کے رسول شہید ہو گئے۔ مشرکین نے بھی یہ خبر مشہور کی تھی اور ابلیس نے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر آواز لگائی تھی۔ یہ خبر مدینہ منورہ جا پہنچی تھی۔ جس کے کان میں یہ خبر پہنچی وہ احد کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔

ایک نیک خاتون ہندہ انصاریہ بھی ان عشاق میں شامل تھیں جو دیوانہ وار احد کی طرف بھاگے جا رہے تھے تاکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح خبر پا سکیں۔ ہندہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک صحابی ملے اور انہوں نے خبر دی کہ تمہارے خاوند

جنگ میں شہید ہوگئے۔ انہوں نے انا للہ پڑھی اور آگے بھاگ نکلیں۔ پھر خبر ملی کہ تمہارے بھائی شہید ہوگئے۔ پوچھنے لگیں خدا کے لئے مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بتاؤ۔ جواب سنے بغیر بھاگ نکلیں تو خبر ملی کہ بیٹا بھی اللہ اور اس کے رسول کے نام پر قربان ہوگیا۔ ساتھ یہ خبر بھی مل گئی کہ اللہ کے رسول زندہ سلامت ہیں اور تشریف لا رہے ہیں۔

کہنے لگیں: مجھے دکھاؤ اللہ کے رسول کہاں ہیں؟"

لوگوں نے اشارہ سے دکھایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ ہیں!

کہنے لگیں: اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے"۔

جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچیں تو دامن اقدس تھام کر کہنے لگیں:

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب آپ زندہ سلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کا صدمہ نہیں۔"

دل والو! اپنے گریبان میں جھانک کر فیصلہ کرو کہ تم کہاں کھڑے ہو!

5- حضرت سعد بن ربیع کا پیغام

حضرت سعد بن ربیع ایک جلیل القدر صحابی اور عاشق رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔

مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاکیزہ طریقہ یہ تھا کہ ہر غزوہ کے اختتام پر ایک ایک فدا کار کے بارے میں تحقیق کیا کرتے تھے۔ شہداء کے کفن دفن اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا اہتمام اپنی نگرانی میں کرتے تھے۔ اسی طرح احد کے اختتام پر حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں استفسار فرمایا۔ جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کہ کہیں

نظر نہیں آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو تلاش کرنے کی ہدایت فرمائی۔ صحابہ میدان میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ آوازیں بھی دے رہے تھے لیکن کہیں سے جواب نہ آتا تھا۔ وہ دراصل شدید زخمی حالت میں کئی مقتولین کے درمیان پڑے تھے اور سانسیں ٹوٹ رہی تھیں۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی خوب رمز شناس تھے۔ پکار کر کہنے لگے:

"اے سعد بن ربیع! ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہاری خبر لانے کے لئے بھیجا ہے"۔

یہ سننا تھا کہ عاشق صادق تڑپ اٹھے اور جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف کر کے کہنے لگے:

دوستو! میں یہاں ہوں۔ میرا وقت قریب ہے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میرا محبت بھرا سلام عرض کرنا اور مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی باقی رہی تو اللہ کے ہاں کوئی عذر نہ چلے گا۔

بس! اتنا کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

سبحان اللہ! جذبۂ فدائیت کا کیا مقام ہے!

لذت آشنائی کا کتنا نشہ ہے!

جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو رہا ہے۔ ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے سر پر کھڑا ہے لیکن وہاں اگر فکر ہے تو ایک کہ:

آقا سے جو پیمان وفا باندھا تھا اس میں فرق نہ آ جائے۔

6- نبی کے بستر میں

حقیقی عشق اور وفا شعاری کا اس سے ارفع و اعلیٰ نمونہ چشم فلک نے کب دیکھا ہوگا جو

ہجرت مدینہ کے موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کیا باوجود اس حقیقت کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بستر پر سونا قبول کر لیا کہ جانتے تھے کہ خونخوار اور جفاکار قریش مکہ نے کاشانۂ نبوی کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے ارادے انتہائی خطرناک تھے۔ زہر میں بجھی ہوئی تلواریں لے کر شمع رسالت کو گل کرنے کے لئے آئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صبح کے وقت جب کفار اپنی خون آشام تلواروں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے آئیں گے اور اللہ کے رسولؐ کو بستر پر موجود نہ پائیں گے تو ان کے خون سے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کریں گے۔ تلواروں کے سائے میں سو جانا عشاق کا ہی کام ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ان سے پوچھا تھا کہ اے علی! کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ دشمن مجھے تلاش کرتا ہوا آئے اور مجھے نہ پا کر تمہیں قتل کر دے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہاں۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں اس بات پر راضی ہوں کہ میرا نفس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان ہو جائے۔

7- جان حضورؐ کے قدموں میں نکلے

غزوہ احد کے موقعہ پر ایک ایسا وقت آ گیا کہ حضرت خالد بن ولید کے اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور بھگدڑ مچ گئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کی یلغار کے باوجود اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے سات انصار صحابہ نے عشق و محبت اور جانثاری کی ایسی داستان اپنے مقدس خون سے قرطاس زمانہ پر رقم کی جس کی چمک دمک قیامت تک قائم رہے گی۔ انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے جسموں کو اپنے آقا کی ڈھال بنالیا اور باری باری قربان ہو گئے۔ ان میں سے ایک زیاد بن شکن بھی تھے۔ وہ شدید زخمی ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ فاصلہ پر گر پڑے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ دم نکلے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر۔ اس لئے اپنی چھاتی کے بل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی طرف گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔

کارکنان قضا و قدر نے اس عاشق مصطفےٰ کے جذبہ فدائیت کی پذیرائی کی اور اس وقت روح قبض کی جب وہ اپنا سر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ چکے تھے۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

8- جامی کو روک لو

مولانا جامیؒ نے ایک نعت کہی۔ جب اسے پڑھتے تھے تو وجد میں آ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو دل میں یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر اسے پڑھیں گے۔ حج کی ادائیگی کے بعد جب قافلہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے لگا تو رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر مکہ کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ فلاں قافلہ میں سے "جامی کو روک لو"۔ امیر مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے مولانا جامی کو پہلی منزل سے ہی آدمی بھیج کر واپس بلا لیا۔ لیکن مولانا جامی چھپ کر نکل کھڑے ہوئے کیونکہ ان کے سینے میں تو الاؤ روشن تھے۔ آتش ہجر تن من جلائے دیتی تھی۔ امیر مکہ کو دوسری مرتبہ زیارت نصیب ہوئی اور پھر وہی حکم ملا "جامی کو روک لو۔"

امیر مکہ نے پھر بڑی کوششوں سے حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کو تلاش کر کے گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کوئی بڑا مجرم و خطار کار ہے جس کا مدینہ منورہ میں ورود اللہ کے رسول کو پسند نہیں۔ تیسری مرتبہ امیر مکہ کو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا جامی مجرم نہیں ہے۔ عاشق صادق ہے اس نے نعت لکھی ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ نعت خود میرے روضہ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھے گا۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی محبت کی پذیرائی کے لئے ضروری ہو جائے گا کہ قبر سے مصافحہ کے لئے میرا ہاتھ باہر نکلے۔ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ "سبحان اللہ"

9- روٹی کا ٹکڑا

ایک افریقی محبوب کردگار بے کسوں کے غم خوار۔ اور مدینہ کے تاج دار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پرانور پر حاضر ہوا۔

دل عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معمور تھا۔ قدمین شریفین میں دھرنا مار کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا لج پال آقا جب تک شربت دیدار نصیب نہیں ہوتا نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ ایک دن گذر گیا آنکھیں سنہری جالی پر لگی رہیں اور زبان پر درودوسلام جاری رہا۔ دوسرا دن گذر گیا۔ نقاہت ہوگئی نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ مطالبہ جاری رکھا۔ تیسرا دن آ گیا۔ نڈھال ہو کر لیٹ گیا آنکھیں بند ہوئیں تو دل کے دروازے کھل گئے۔ بے کسوں کے آقا تشریف لے آئے روٹی بھی ساتھ لائے۔ شربت دیدار پلایا۔ روٹی کھلائی اور رخصت ہو گئے۔ آنکھ کھلی تو آدھی روٹی ہاتھ میں تھی۔ ایک معزز عرب سامنے کھڑا محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ قریب آیا۔ روٹی طلب کی تو دے دی۔ عرض کرنے لگا مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور آپ کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ساتھ لے گیا۔ کار میں بٹھا کر اپنے محل میں لے گیا۔ ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا " حضور جو حاجت ہو فرمایئے۔

کہنے لگا: " کچھ بھی مطلوب نہیں۔ جو چاہیے تھا وہ مانگ لیا۔ وہ مل بھی گیا۔ اب نہ کوئی حاجت ہے نہ تمنا۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا ان کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

✤✤✤✤✤

چوتھا باب

اتباعِ رسولؐ

اتباع کے لفظی معنی متابعت' تقلید اور پیروی کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد کسی کے دیئے ہوئے لائحہ عمل کو اختیار کرنا۔ کسی کے ضابطۂ حیات کو مشعل راہ بنانا۔ کسی کے نقوش قدم پر چلنا ہے۔ کسی عام آدمی کے اتباع کا مطلب تو واقعی نقوش پا کو دیکھ کر چلنا ہے لیکن محسن انسانیت مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کا مقصد نقوش پا کو چوم کر اور مستی میں جھوم کر چلنا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہو تو پہاڑوں سے ٹکرا جانا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارہ پر سمندروں کی پہنائیوں کو بلا خوف و خطر اور بلا تردد چیر جانا ہے۔ اس طرح اتباع رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مراد یہ ہوگی کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ نظام مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہو۔ ہمارا ہر قول احادیث مقدسہ کی تکمیل اور ہر فعل سنت مطہرہ کی تعمیل کا مرکز ہو۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا' کھانا' پینا' رونا' ہنسنا غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ اسلامی ضابطہ حیات کی ترجمانی کرے۔ ہمارا اخلاق لاثانی اور غیرت اسلامی بے مثل ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

سیرت مصطفٰے نہ ہو جس میں باعثِ ننگ زندگانی ہے
اتباع رسول میں بے شک دو جہانوں کی کامرانی ہے

درج ذیل چند واقعات میں اتباعِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

1۔ حضرت اسامہؓ کی لشکر کشی

سریر آرائے خلافت ہوتے ہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے نومسلم قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار

کر دیا۔ یہود اور منافقین نے اسلام کے خلاف اپنی معاندانہ کارروائیوں میں اضافہ کر دیا۔ کئی لوگوں نے جھوٹی نبوت کے دعوے کر دیے۔ سب سے بڑھ کر رومیوں کی طرف سے خطرہ تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر اپنی مخالفانہ کارروائیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔

ان شدید مشکلات سے گھرے ہونے کے باوجود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی کا اعلان کر دیا۔ اس لشکر کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں ترتیب دیا تھا لیکن آپ کی شدید بیماری اور وصال کی وجہ سے یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی روانگی کا فیصلہ سن کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پریشان ہو گئے کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان کٹھن حالات میں لشکر کی روانگی خطرناک ہو سکتی تھی کیونکہ اگر منکرین زکوٰۃ وغیرہ کسی گروہ سے مقابلہ ٹھن جاتا تو سپاہ کی بہت کمی محسوس کی جاتی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے باہم مشورہ کر کے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر کے پاس بھیجا تاکہ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی روانگی کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کروا سکیں۔ جناب فاروق اعظم چند دوسرے سرکردہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کرنے لگے کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے کیونکہ تمام تجربہ کار اور جنگ آزمودہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اگر ملک سے باہر بھیج دیا گیا تو دشمنوں کو اپنے مکروہ عزائم کو بروئے کار لانے کا موقعہ مل جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر دشمن مرکز اسلام مدینہ منورہ پر حملہ کر دے۔

امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مشورہ سن کر جواب دیا:

''اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر جنگل کے

درندے بھی مدینہ میں گھس کر مجھے اچک کر لے جائیں تو پھر بھی میں اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا جس لشکر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روانہ ہونے کا حکم دیا۔"

2- سپہ سالار کی تبدیلی کا مطالبہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "اسامہ بن زید کی جگہ کسی اور صحابہ کو سپہ سالار مقرر کیا جائے"

حضرت صدیق اکبر: "کیا میں اسامہ کو سپہ سالاری سے معزول کر دوں؟"

حضرت عمرؓ: وقت کا تقاضا یہی ہے۔ لشکر میں کئی جلیل القدر صحابہؓ شامل ہیں کسی ایک کو سپہ سالار مقرر فرما دیجئے۔"

حضرت صدیق اکبر: (غصہ میں کھڑے ہوتے ہوئے): "اے خطاب کے فرزند! تیری ماں تجھے روئے۔ خود نبی پاک نے اسامہ کو سالار مقرر کیا۔ تم کہتے ہو کہ میں اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کر دوں۔ نہیں! ہرگز نہیں!"

یہ ہے اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ اعلیٰ مثال جس کا جواب نہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر اسامہ کو اس لئے روانہ کیا کہ اس کی روانگی کا حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اسامہ کو سالاری سے اس لئے الگ نہیں کیا کہ یہ تقرر اللہ کے رسول نے کیا تھا۔

3- منکرین زکوۃ کے خلاف کارروائی

ایک اور بڑا فتنہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سر اٹھایا منکرین زکوۃ کا تھا۔ بعض نو مسلم قبائل نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تو صدیق اکبر نے ان کے خلاف سخت اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک بار پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس فیصلہ کو قرین مصلحت نہ سمجھتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے باز

رکھنے کی کوشش کی اور تجویز پیش کی کہ فوری طور پر انکے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ جب خارجی حالات سدھر جائیں تو منکرین زکوٰۃ کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔ امیر المؤمنین نے یہ مشورہ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہم نو تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور انہیں منکرین زکوٰۃ کے خلاف کارروائی سے روکا کہنے لگے۔

عمر فاروق: اے امیر المؤمنین! ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجئے۔"

صدیق اکبرؓ: "(عالم جلال میں) یہ کیا؟

جاہلیت میں تو تم بڑے سرکش تھے!۔

مسلمان بن کر.......... ہو گئے (سخت لفظ ہے) ؟

وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے....................

دین پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے....................

کیا میری زندگی میں دین کی قطع برید کی جائے گی؟

خدا کی قسم! اگر منکرین زکوٰۃ مجھے زکوٰۃ سے رسی کا ایک ٹکڑا بھی دینے سے انکار کریں گے (جو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت دیا کرتے تھے) تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا"

یہ ہے اتباع رسولؐ!

4- یہ ہے عمر کا فیصلہ

ایک مرتبہ ایک منافق اور یہودی میں تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ باہمی طور پر اس کو حل نہ کر سکے تو فیصلہ کے لئے حکم مقرر کرنے پر متفق ہو گئے۔ یہودی کہنے لگا:

یہودی: "مجھے تمہارے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا فیصلہ منظور ہے۔"

منافق: "(جس کے دل میں نفاق تھا بادل نخواستہ کہنے لگا) مجھے بھی منظور ہے۔"

جب مقدمہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔

جب فیصلہ سن کر باہر آئے تو منافق کہنے لگا:

منافق: "مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں ہے۔"

یہودی: "کیوں! تم نے تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حکم بنائے جانے پر اتفاق کیا تھا۔"

منافق: "بس! مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں۔ اگر تم چاہو تو عمر ابن خطاب کو حکم مان لیتا ہوں"

یہودی نے منافق کی یہ بات بھی مان لی اور دونوں حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے۔"

جب انہوں نے جا کر عمر ابن خطاب کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو یہودی نے بتا دیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ پہلے آپ کے نبی کر چکے ہیں لیکن اس شخص نے وہ فیصلہ قبول نہیں کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق سے پوچھا:

حضرت عمر ابن خطاب: "کیا تم یہ مقدمہ لے کر میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے؟"

منافق: "جی! گئے تھے۔"

حضرت عمر: "کیا تم نے فیصلہ کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم قبول کیا تھا۔"

منافق: "ہاں! کیا تھا۔"

حضرت عمرؓ: "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس کے حق میں فیصلہ کیا؟"

منافق: "اس یہودی کے حق میں۔"

حضرت عمرؓ: "کیا تم نے اس فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے؟"

منافق "جناب مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔"

حضرت عمرؓ: "میرے سوال کا جواب دو۔"

منافق: "ہاں! میں نے فیصلہ ماننے سے انکار کیا ہے۔"

حضرت عمرؓ: "ٹھیک ہے! تم انتظار کرو میں ابھی واپس آ کر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر سے تلوار لے آئے اور ایک ہی وار میں منافق کا سرتن سے جدا کر کے فرمایا:

"یہ ہے عمر کا فیصلہ کہ:

جو نبی کے فیصلہ پر سر جھکا سکتا نہیں
عمر کی تلوار سے وہ بچ کے جا سکتا نہیں

5- حضرت عثمان مسکرائے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر کام میں اتباع رسول اور اسوۂ محبوب کو ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے پانی منگوا کر سنت مطہرہ کے مطابق وضو کیا اور بعد میں مسکرائے۔

موقعہ پر موجود احباب کو فرمایا:

"تم کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیوں مسکرایا!"

وہ عرض کرنے لگے امیر المؤمنین فرمایئے!

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے" اس مقام پر میرے آقا نے یونہی پانی منگوا کر وضو کیا تھا اور بعد میں مسکرائے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ جب انسان وضو کرتا ہے تو وضو کے پانی کے ساتھ اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

"میں اس لئے مسکرایا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی طرح اس موقعہ پر

مسکرائے تھے"۔

6- عمر بھر خربوزہ نہ کھایا

حضرت امام مالک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تمام عمر خربوزہ نہ کھایا۔ جب ان سے خربوزہ نہ کھانے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمانے لگے:

"میں اس لئے خربوزہ نہیں کھاتا کہ مجھے صحیح طور پر علم نہیں ہوسکا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح خربوزہ کھایا۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں خربوزہ کھا لوں اور میرا خربوزہ کھانے کا طریقہ ایسا نہ ہو جیسا میرے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تھا تو میرا عمل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاکیزہ طریقہ کے خلاف ہو جائے گا۔ مجھے یہ امر تو گوارہ ہے کہ خربوزہ نہ کھاؤں لیکن یہ گوارہ نہیں کہ کوئی عمل سنت مطہرہ کے خلاف کروں۔"

7- وزیر کی گردن کاٹی جائے گی

امام ابو یوسف ہارون الرشید کے چیف جسٹس تھے۔ ایک روز ہارون الرشید کے دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ دستر خوان پر کئی وزراء اور امراء بھی شامل تھے۔ کھانے کے دوران باتیں بھی ہو رہی تھیں۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پسندیدہ کھانوں کا ذکر آیا تو کسی نے بیان کر دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سبزی میں کدو بہت پسند تھے۔ ایک وزیر نے کہہ دیا کہ مجھے تو کدو سخت ناپسند ہیں۔ یہ سن کر حضرت امام ابو یوسف غصہ سے بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کر دیا کہ وزیر موصوف کی سزا یہ ہے کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے۔

اچانک ماحول بے حد ناخوشگوار ہو گیا۔ امام ابو یوسف کا موقف یہ تھا کہ کسی چیز کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسندیدگی کے ذکر کے فوراً بعد اگر کوئی شخص اسے ناپسندیدہ قرار دے تو یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی تصور ہوگی۔

ہارون الرشید بڑی توجہ سے سب کچھ سن رہے تھے انہوں نے حضرت امام ابو یوسف کے موقف کی تائید کی اور اس وزیر کو توبہ کرنے کا مشورہ دیا۔

قارئین کرام!

دیکھا آپ نے! حضرت امام ابو یوسف نے اتباع رسول کے معاملہ میں ہارون الرشید جیسے حکمران کی بھی پرواہ نہ کی اور حق بات کھول کر بیان کر دی۔

8- ڈپٹی کمشنر گدھے پر سوار

ملازمت کے دوران جھنگ سے تعلق رکھنے والے ایک رفیق کار نے ایک ایمان افروز واقعہ سنایا۔ کہنے لگے ضلع جھنگ میں ایک ڈپٹی کمشنر تھے بے حد نیک۔ دیانت دار اور شرع کے پابند۔ سنت مطہرہ پر سختی سے کاربند تھے۔ صاحب ریش تھے اور لباس میں بھی شرعی حدود کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اپنے حلقہ احباب میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اکثر گفتگو کیا کرتے تھے۔

جب ان کو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے سب پر مختلف اوقات میں سواری فرمائی تو انہوں نے بھی اس سنت کو پورا کرنے کے لئے اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقاضوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے ان سب جانوروں پر سواری کی۔

9- مدینے کی گلیاں

عشاق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پڑھا ہے کہ جب مدینۃ النبی میں جاتے تو اس پاک شہر کی گلیوں کے درمیان نہ چلا کرتے تھے۔ مکانوں کی دیواروں کا سہارا لے کر گلی کے بالکل دائیں یا بائیں چلا کرتے تھے۔ ان سے جب استفسار کیا جاتا کہ وہ اس طرح کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں تو فرماتے کہ ان گلیوں میں ہمارے آقا صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم بھی دس سال چلتے رہے ہیں۔ طبیعت گوارہ نہیں کرتی کہ ہمارا پاؤں اس جگہ پر آ جائے جہاں کسی وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاؤں لگا ہو۔

حضرت اویس قرنی کے دانت

عاشق مصطفےٰ حضرت اویس قرنی نے اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو درس آنے والی انسانی نسلوں کو دیا ہے اس کی تب و تاب قیامت تک دھندلا نہیں سکتی۔

حضرت خواجہ اویس قرنی ملک یمن کے ایک علاقہ قرن کے جنگل میں رہتے تھے۔ سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ غزوہ احد میں جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور اس کی خبر حضرت اویس قرنی کو پہنچی تو انہوں نے پتھر لے کر یہ کہتے ہوئے وہ دانت توڑ ڈالے' جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہید ہوئے تھے کہ جو دانت میرے آقا کی دہن مبارک میں نہیں رہے وہ میرے منہ میں باقی کیوں رہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنے سارے دانت ایک ایک کر کے توڑ ڈالے تھے کیونکہ ان کو صحیح طور پر علم نہیں ہو سکا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کون سے دانت شہید ہوئے تھے۔

11- ریت کی گٹھڑی

اللہ کے ایک نیک بندے نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاکیزہ اطوار کے بارے میں پڑھا کہ آپ ہمیشہ نرم جگہ پر پیشاب کیا کرتے تھے تاکہ سخت جگہ کی وجہ سے پیشاب اڑ کر جسم یا کپڑوں پر نہ پڑے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امر کی تاکید بھی فرمایا کرتے تھے۔

اس بزرگ نے اس پاکیزہ سنت مطہرہ کو زندہ رکھنے کے لئے یہ اہتمام کیا کہ ہمیشہ ریت کی ایک گٹھڑی باندھ کر ساتھ رکھتے تھے اور جب کسی سخت جگہ پر مجبوراً پیشاب کرنا پڑتا

تو اس میں سے ریت لے کر بچھا لیا کرتے تھے۔ اس سنت پر خلوص ومحبت سے عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی۔ (سبحان اللہ)

12- سیر چشمی

یوں تو پیر محمد کرم شاہ صاحب علیہ الرحمہ زندگی کے ہر شعبہ میں اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھا کرتے تھے لیکن یہاں میں نے ایک واقعہ کے اظہار کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ میرے بڑے بھائی صاحب صوبیدار ریٹائیرڈ عنائیت محمد صاحب مرحوم قبلہ پیر صاحب کے ہم جماعت تھے۔ رشتوں کا احترام پیر صاحب کے ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا۔ بھائی صاحب کے حوالہ سے میرے ساتھ پیار ومحبت سے پیش آتے۔ میں نے ان کا دست شفقت کبھی کوتاہ نہ پایا۔

گورنمنٹ ہائی سکول کھیوڑہ میں ہیڈ ماسٹر تعینات تھا۔ حدود مدرسہ میں ایک مسجد تعمیر کی تو وہاں محفل سیرت کا اہتمام کیا۔ مرکزی خطاب ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب کا تجویز کیا گیا۔ میں نے استدعاء کی۔ شرف قبولیت بخشا گیا۔ تعارفی کلمات کے دوران اتباع رسول کے حوالہ سے میں نے یہ کہہ دیا کہ "اگر کسی عام آدمی کے اتباع کی بات ہو تو اس کا مقصد نقوش پا کو دیکھ کر چلنا ہے لیکن اگر محسن انسانیت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کی بات ہو تو نقوش پا کو چوم کر اور مستی میں جھوم کر چلنا ہے۔"

یہ الفاظ سنتے ہی عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وجد آ گیا مجھے فرمایا:

"قریب آؤ جس منہ سے تم نے یہ کلمہ ادا کیا ہے اسے چوم لوں۔"

یہ بات آج سے کم وبیش 28 سال پہلے کی ہے۔ حضور نے خطاب فرمایا۔ چونکہ جلسہ ایک تعلیمی ادارہ میں منعقد ہو رہا تھا اس لئے ہر فرقہ کے لوگ وہاں موجود تھے۔ لیکن ایک گھنٹہ کے خطاب میں کوئی کلمہ ایسا سننے کو نہ ملا جس سے کسی کی دل آزاری کی راہ نکلتی۔ آپ کا یہ خطاب مدتوں یاد رکھا گیا۔

سیر چشمی ملاحظہ ہو۔ پہلے ہی مجھے فرما دیا تھا کہ ادارہ کا جلسہ ہے کسی قسم کا اہتمام نہیں ہونا چاہیے۔ خطاب کے بعد چند منٹ کے لئے دفتر میں تشریف فرما ہوئے۔ چند ساتھیوں کے مجبور کرنے پر میں نے ایک لفافہ پیش کیا (جس میں بڑی مالیت کے کرنسی نوٹ تھے)

فرمایا: "یہ کیا ہے؟"

میں تو خاموش رہا ساتھیوں نے ادب واحترام سے عرض کی۔

"یہ ہماری طرف سے اظہار عقیدت و نیاز مندی ہے۔"

فرمایا: "اسے بچوں کی بہتری اور بھلائی پر استعمال کرو۔"

جب آپ نے سختی سے انکار کر دیا تو ساتھی کہنے لگے یہ دارالعلوم کے لئے قبول فرما لیجئے۔

فرمایا: وہاں لنگر خانہ میں جمع کرانا۔ میں چندہ جمع کرنے کے لئے نہیں آیا۔

*****

پانچواں باب

1- "اللہ نے آدمؑ کو اشیاء کا علم سکھایا"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اس کا اعلان ملائکہ کے سامنے فرما دیا۔ ملائکہ عرض کرنے لگے کیا آپ زمین میں پھر ایک مخلوق آباد کریں گے جو خون بہائے گی اور فساد برپا کرے گی؟ ملائکہ زمین پر جنات کی قتل و غارت گری کا مشاہدہ کر چکے تھے اسی تجربہ سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ نئی مخلوق بھی زمین پر فساد برپا کرے گی۔ یہ ملائکہ کا اعتراض نہیں تھا نہ ہی ملائکہ اس کی اہلیت رکھتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدمؑ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے جس خصوصیت و اہلیت کا انتخاب فرمایا وہ علم تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدمؑ کو تخلیق فرمایا اور تمام اشیاء کا علم انہیں عطا فرما دیا۔ پھر ان اشیاء کے ناموں کے بارے میں ملائکہ کو سوال کیا تو وہ نہ بتا سکے جبکہ آدمؑ نے سب کچھ بتا دیا۔

اس سے "علم" کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے

2- علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات احادیث کی کتب میں موجود ہیں جن سے علم کی اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں خود کو معلم قرار دیا ہے۔ اس ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حصول علم پر بھی زور دیا اور علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز کے ملک چین جانے کا عندیہ بھی دیا۔ اس سے ایک اور حقیقت کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام میں صرف دینی امور کا علم حاصل کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ دوسرے علوم کے حصول پر بھی اسلام کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ ہر وہ علم جس سے بنی

نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہو اس کا حصول جائز ہے۔ اس علم کو اگر ہم ایک نام دینا چاہیں تو علم نافع کہہ سکتے ہیں۔ علم نافع وہ علم ہوگا جس سے زندگی کے کسی بھی شعبہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو بلکہ نفع حاصل ہوتا ہو۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معلم اور متعلم دونوں کیلئے بیشمار دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔

3- علم کی تواضع

خلیفہ ہارون الرشید ایک دفعہ مدینہ منورہ گیا تو اسے پتہ چلا کہ یہاں ایک بہت بڑے عالم اور محدث رہائش پذیر ہیں۔ جن کا نام امام مالکؒ ہے۔ انہوں نے حدیث کی ایک کتاب "موطا" ترتیب دی ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ ان سے ملاقات کروں اور ان سے احادیث کا درس لوں۔ اس نے حضرت امام مالک کے نام حکم بھیجا کہ موطا لے کر دربار میں حاضر ہوں۔

حضرت امام مالک نے خلیفہ کے قاصد کو فرمایا:

"خلیفہ کو کہنا علم چل کر لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتا۔ لوگ علم کے پاس جایا کرتے ہیں۔"

جب یہ پیغام خلیفہ کو پہنچا تو وہ بے حد پریشان ہوا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اس کے فرمان کو اس طرح رد بھی کیا جاسکتا ہے۔

کچھ ہی دیر گذری ہوگی کہ حضرت امام مالک اپنی کتاب موطا لے کر خلیفہ ہارون الرشید کے پاس پہنچ گئے۔ خلیفہ نے مسند سے کھڑے ہو کر آپ کا احترام تو کیا لیکن ساتھ ہی شکوہ بھی کیا کہ:

"میں نے آپ کو بلایا تھا لیکن آپ نے تلخ جواب دیا۔"

امام مالک نے بلا خوف و خطر فرمایا:

''آنا تو آپ کو ہی چاہیے تھا لیکن جب آپ تشریف نہ لائے تو مجھے آنا پڑا کہ آپ مومنوں کے امیر ہیں اور امیر کی اطاعت واجب ہے۔ میں فرمان خداوندی سے سرتابی نہیں کرسکتا تھا۔''

خلیفہ ہارون الرشید حق و صداقت کے اس برملا اظہار پر حیران رہ گیا۔
پھر فرمایا: ''میری خواہش تھی کہ امیرالمؤمنین علم کو سربلند کریں تاکہ اللہ انکو سربلند کرے۔''
یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید کا سر جھک گیا۔

حضرت امام مالک بلاتکلف اس شاہی مسند پر تشریف فرما ہو گئے جس پر ابھی کچھ دیر قبل خلیفہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر چند لمحات خلیفہ تذبذب کا شکار رہا پھر اس مسند پر حضرت امام مالک کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر امام مالک نے فرمایا:
''امیرالمؤمنین! حصول علم کے بھی کچھ آداب اور تقاضے ہوتے ہیں اور علم کی تواضع بھی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔''

خلیفہ ہارون الرشید امام مالک کی بات سمجھ گیا اور مسند سے اٹھ کر نہایت ادب و احترام سے امام مالک کے سامنے بیٹھ گیا اور سر جھکا کر پوری توجہ سے احادیث سننے میں معروف ہو گیا۔

خلیفہ امام مالک کی حق گوئی سے بے حد متاثر ہوا اور انہیں ادب و احترام سے رُخصت کیا۔

4۔ دو غلام

یونان کے ایک رئیس نے ملک کے مشہور عالم کو اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے محل میں طلب کیا لیکن حکیم نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ رئیس اس حکیم کے پاس جانے پر مجبور ہو گیا لیکن عالم ناگواری میں۔ کہنے لگا:

رئیس: ''میں تمہیں اپنے بیٹے کا معلم مقرر کرنا چاہتا ہوں۔''

حکیم: "مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے!"

رئیس: "تو گویا آپ اس خدمت کے لئے تیار ہیں؟"

حکیم: "میں یہ فرض انجام دینے کے لئے آمادہ ہوں۔"

رئیس: "معاوضہ کیا لوگے؟"

حکیم: "پانچ سو نقرئی سکے۔"

رئیس: "یہ تو ایک گراں بہا معاوضہ ہے۔"

حکیم: "مجھے فرض بھی تو گراں بہا انجام دینا ہے۔"

رئیس: "پھر بھی! معاوضہ کچھ کم کرو۔"

حکیم: "اس گراں بہا فریضہ کے مقابلہ میں جو مجھے ادا کرنا ہے یہ معاوضہ بہت کم ہے۔"

رئیس: "اس رقم سے تو میں ایک غلام خرید سکتا ہوں!"

حکیم: "ضرور غلام خرید لو اس طرح تم دو غلاموں کے مالک بن جاؤ گے۔"

رئیس: "(نخوت سے ناک بھوں چڑھا کر) وہ کس طرح؟"

حکیم: "متانت سے) وہ اس طرح کہ ایک غلام تو تم معاوضہ کی رقم بچا کر خرید لو گے اور دوسرا غلام تمہارا صاحبزادہ ہوگا کیونکہ جاہل امیر بھی اپنی جہالت اور بے جا خواہشات کا غلام ہی ہوتا ہے۔"

یہ سن کر مغرور رئیس کا سر پر غرور جھک گیا۔ حکیم کی گفتگو کی حقانیت نے اس کی آنکھوں اور دل و دماغ سے نخوت کے پردے ہٹا ڈالے۔

5-استاد کی جوتیاں

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے دو بیٹوں مامون اور امین کیلئے ایک معلم رکھا جس کا نام کسائی تھا۔ معلم بہت قابل اور تمام مرجہ علوم میں ماہر تھا۔ دونوں شہزادے اپنے معلم کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک روز درس و تدریس سے فارغ ہوکر جب انکے استاد روانہ ہونے لگے۔

تو دونوں صاحبزادے لپکے کہ جلدی سے جوتا اٹھا کر استاد کے سامنے رکھ دیں اس پر دونوں میں جھگڑا ہوگیا کہ کون استاد کا جوتا اٹھا کر سامنے رکھے۔ آخر استاد نے یہ کہہ کر صلح کرا دی کہ تم دونوں ایک ایک جوتا اٹھا کے لاؤ اور میرے سامنے رکھ دو۔ چنانچہ اس پر دونوں میں اتفاق ہوگیا اور وہ ایک ایک جوتا اٹھا کر لے آئے۔

خلیفہ ہارون الرشید یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ عین اس موقعہ پر سامنے آگیا اور شہزادوں کے معلم سے سوال کیا:

ہارون الرشید: میری حدود سلطنت میں سب سے معزز شخص کون ہے؟"

استاد: "امیر المؤمنین! آپ سب سے معزز ہیں۔"

ہارون الرشید: "یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

استاد: "امیر المؤمنین آپ خلیفہ وقت ہیں۔ ایک زمانے پر آپ کی حکومت ہے۔"

ہارون الرشید: "نہیں! میں تم سے اتفاق نہیں کرتا۔ وہ شخص سب سے معزز ہے جسکے جوتے ہارون الرشید کے دو ولی عہد اٹھانا اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے آج تک کبھی میرے جوتے اٹھا کر میرے سامنے نہیں رکھے۔"

ہارون الرشید نے استاد کی پریشانی کا اندازہ کرلیا تھا اس لئے کہا۔

ہارون الرشید: "مجھے یہ منظر دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے میرے بچوں کی اچھی تربیت کی ہے۔ آدمی جتنا بھی بڑا ہو جائے ان تین سے ہمیشہ چھوٹا ہی رہتا ہے۔

والدین..................استاد..................اور بادشاہ"

یہ کہہ کر ہارون الرشید نے بچوں کے استاد کو نقد انعام سے نوازا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں پیش آیا تھا۔

6- خلیفہ نے خود ہاتھ دھلائے

ہارون الرشید میں بے شمار خوبیاں تھیں ان میں سے ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک

بلند پایۂ عالم اور عالموں کا بڑا قدر دان تھا۔ وہ ان کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھا کرتا تھا اور خوش دلی سے ان کی مدد کیا کرتا تھا۔ وہ علماء کو ہمیشہ اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلایا کرتا تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ کے ایک بڑے عالم ابومعاویہ کا بیان ہے کہ وہ ایک روز ہارون الرشید کے دربار میں موجود تھے کہ کھانے کا وقت ہوگیا۔ خلفیہ ہارون الرشید مجھے بھی اپنے ساتھ دسترخوان پر لے گیا۔ کھانا کھانے کے بعد کسی شخص نے میرے ہاتھ دھلانا شروع کئے۔ ابتداء میں مجھے پتہ نہ چلا لیکن جب ہاتھ دھو چکا تو میں نے دیکھا کہ ہاتھ دھلانے والا کوئی اور شخص نہیں بلکہ امیرالمؤمنین خود تھے۔ میں نے اس امر پر جب خجالت کا اظہار کیا تو ہارون الرشید کہنے لگا:

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے ایک عالم کے ہاتھ دھلا کر علم کا احترام کیا۔

7- دروازہ کے باہر لیٹ جاتا ہوں

حضرت عبداللہ ابن عباس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی اور چچا زاد بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ دولت علم سے نوازا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہ ابن عباس میری امت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ حضرت ابن عباس کی قرآن فہمی کا عالم یہ تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں قرآن سے معلوم کر لیتا ہوں۔ ایسے بلند مراتب یونہی نہیں مل جایا کرتے۔ ان کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ علم دین کے لئے ان کی محنت کا اندازہ آپ اس ایک واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ.................

جب ان کو پتہ چلتا کہ فلاں شخص کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے تو وہ ان کے مکان پر پہنچ جاتے وہاں جا کر پتہ چلتا کہ وہ سو رہے ہیں تو بجائے واپس آنے کے یا ان کو جگانے کے دروازے کے باہر چادر بچھا کر لیٹ جاتے۔ تیز ہوا چلتی تو گرد و غبار اور ریت سے ان کا جسم اٹ جاتا۔ وہ صحابی جب گھر سے باہر نکلتے تو ابن عباس کو

دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے اور جب وہ اظہار افسوس کرتے ہوئے عرض کرتے کہ آپ نے کیوں زحمت کی کسی کو بھیج دیا ہوتا تو فرماتے ”نہیں جناب! علم حدیث کا معاملہ تھا مجھے ہی آنا چاہیے تھا۔“

علامہ حافظ ابن کثیر کے مطابق ان کی عادت اس طرح تھی کہ رات کو چراغ بجھا کر لیٹ جاتے تو لیٹتے لیٹتے اٹھ کھڑے ہوتے چراغ جلا کر کچھ لکھتے اور پھر لیٹ جاتے پھر کوئی مسئلہ ذہن میں آجاتا تو پھر اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس طرح کبھی کبھی اٹھنے کی تعداد بیس تک پہنچ جاتی۔

8- کتاب پسینے سے بھیگ گئی

ایک بزرگ خطیب تبریزی کو عربی زبان وقواعد پر غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ انہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا اور اس کے حصول کے لئے انہیں کیا کیا مصائب جھیلنا پڑے؟ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

انہیں ایک دفعہ ابومنصور رازی کی ایک کتاب ”التھذیب“ کہیں سے مل گئی۔ اس کتاب کو کسی عالم سے پڑھنے کے لئے مشورہ کرتے پھر رہے تھے کہ کسی نے ”معری“ کا نام تجویز کیا۔ پس کتاب تھیلے میں ڈالی اور چل پڑے تھیلا بغل میں لٹکایا ہوا تھا اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے موسم سخت گرم تھا۔ اتنے پیسے نہیں تھے کہ سواری کا انتظام کر لیتے۔ دھوپ میں چلنے کی وجہ سے اس قدر پسینہ آیا کہ اس کا اثر تھیلے میں سے ہو کر کتاب تک جا پہنچا اور کتاب پسینہ سے تر ہوگئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کتاب پانی سے بھگو دی گئی ہو۔

کسی بڑے بزرگ اور عالم کا بیٹا جب ایک معلم کے پاس قرآن پڑھنے لگا تو کچھ عرصہ گذرنے کے بعد باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا:

باپ: ”بیٹا! تمہارے استاد کیسے ہیں؟“

بیٹا: ”ابا حضور! وہ بہت اچھے ہیں۔“

باپ: "بیٹا! اچھے تو وہ یقیناً ہیں۔ ان کا پڑھانے کا طریقہ کیا ہے؟"

بیٹا: "ابا حضور! وہ بھی بہت اچھا ہے۔"

باپ: "کیا تم نے سورۃ فاتحہ پڑھ لی ہے؟"

بیٹا: "جی ابا حضور! پڑھ لی ہے۔"

باپ "مجھے سنا سکتے ہو؟"

بیٹا: "جی ابا حضور!

بیٹا سورۃ فاتحہ سنانے لگتا ہے۔ ادائیگی' تلفظ' روانی سب مثالی ہیں۔ رموز و اوقاف پر بھرپور عبور حاصل ہے۔

باپ: "ماشاء اللہ۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ تمہارے استاد بلاشبہ محنتی بھی ہیں اور فرض شناس بھی۔"

باپ بیٹے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ استاد صاحب کے آنے کی اطلاع ملی۔ بیٹا پڑھنے کیلئے چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد بزرگ بھی وہاں پہنچ گئے۔

بزرگ: "السلام علیکم!

استاد: "وعلیکم السلام!

بزرگ: "جس محبت اور محنت سے آپ میرے بچے کو تعلیم دے رہے ہیں اس پر ہدیۂ تبرک پیش کرنے حاضر ہوا ہوں۔"

استاد: "آپ کی شفقت اور حوصلہ افزائی کا بے حد شکریہ!

بزرگ: "(ایک تھیلی پیش کرتے ہوئے)

"یہ حقیر نذرانہ قبول کیجئے!"

استاد: (تھیلی لے کر گنتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے ہیں)

"ایک ہزار درہم! یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔"

بزرگ: "کونسی بڑی رقم ہے ایک ہزار درہم ہی تو ہیں!"

استاد: "ابھی تو ابتداء ہے میں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔
اتنی بڑی رقم پر میرا کوئی حق نہیں بنتا۔"

بزرگ: "خدا کی قسم! یہ سکے اس علم کے مقابلہ میں بالکل بے وقعت اور حقیر ہیں جو آپ نے میرے بیٹے کو عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ.................

جو کچھ میں آپ کو دے رہا ہوں وہ ختم ہو جانے والی چیز ہے..................

اور

جو کچھ آپ نے میرے بیٹے کو دیا ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگا
یہاں تک کہ مرنے کے بعد
بھی نہیں!"

چھٹا باب

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تین سو تیرہ

تین سو تیرہ مسلمان سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے کے لئے نکلے تھے۔ جب وہ ایک مقام ''ذفران'' پر پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ سالار ابوسفیان راستہ بدل کر قافلہ کو نکال کر لے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ خبر بھی ملی کہ قریش کا ایک لشکر جو ایک ہزار زرہ پوش جنگجوؤں پر مشتمل ہے میدان بدر کی طرف تیزی سے یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اچانک صورت حال تبدیل ہوگئی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے اپنے جانثار صحابہؓ سے مشورت کیلئے اجلاس بلالیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نئی صورت حال کی سچی تصویر صحابہؓ کے سامنے پیش کردی اور ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ سب سے پہلے سید صدیق کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو مناسب سمجھیں کریں ہم بسرو چشم ہر حکم پر سر تسلیم خم کریں گے اور اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسی طرح کے اعلیٰ جذبات و خیالات کا اظہار فرمایا۔ پھر مقداد بن عمرو انصار میں سے اٹھے اور عرض کرنے لگے:

اے اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس پر عمل کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ جایئے آپ اور آپ کا خدا جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ چلئے اور آپ کا خدا اور آپ جنگ کیجئے ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔

اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کے حکم پر

برک الغماد تک آپ کے ساتھ چلیں گے اور دشمن سے لڑیں گے"

اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"بلاشبہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں۔ آپ کے لائے ہوئے دین کے برحق ہونے پر گواہی دی ہے۔............ یارسول اللہ! اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم آپ کے پیچھے سمندر میں کود جائیں گے۔"

پھر.................

جب میدان بدر میں معرکہ کارزار گرم ہوا اور تین سو تیرہ نہتوں کو ایک ہزار کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنا پڑا تو انہوں نے اپنے اقوال کی لاج رکھ لی۔ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح چڑھتے ہوئے طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اس کا رخ پھیر دیا۔ کسی زخمی نے پشت پر زخم نہ کھایا۔

دونوں کم عمر صحابہ معاذؓ اور معوذؓ نے شہباز کی طرح جھپٹ کر مشرکین کے سپہ سالار ابوجہل کو اس کے محافظ دستہ میں گھس کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر دشمن کو ایک عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

2- شیر خدا علیؓ عمرو بن عبدِوُد کے مقابلہ پر

غزوہ احزاب کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ مسلمانوں نے مدینہ کے دفاع کے لئے ایک بہت بڑی خندق کھودی تھی۔ کفار کا لشکر جرار جو اہل اسلام کی تباہی و بربادی کے منصوبے بنا کر آیا تھا اپنے سامنے ایک لمبی، گہری اور چوڑی خندق دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ کفار کو اپنے مکروہ منصوبے ناکام ہوتے نظر آئے۔ انہوں نے خندق کے پار ہی اپنے خیمے نصب کر لئے۔

ایک روز عمرو بن عبدِوُد جو ایک بہت بڑا جنگ جو اور شہسوار تھا گھوڑا کداتا ہوا ایک تنگ مقام سے خندق عبور کر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ظالم کافر کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس

کے مقابلہ پر بڑے بڑے بہادر اور شہ زور نہیں ٹھہرتے تھے وہ سینکڑوں پر بھاری تھا۔ جب وہ خندق عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا تو اسکے پیچھے عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن خطاب بھی خندق کو عبور کر گئے۔ عمرو بن عبدِوُد نے للکارا کہ ہے کوئی مقابلہ پر آنے ولا۔ اس کافر کے مقابلہ پر نکلنا جان جوکھوں کا کام تھا لیکن اللہ کے شیر بھی کسی سے ڈرتے ہیں۔ حضرت علیؓ شیر خدا اس کے مقابلہ میں نکل آئے اور اس کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

حضرت علیؓ: ''اے عبدِوُد کے بیٹے! میں علیؓ ہوں ابوطالب کا بیٹا''

عمرو بن عبدود: ''اے علیؓ! واپس چلا جا تیرے والد ابوطالب کیساتھ میرے دوستانہ تعلقات تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری تلوار تیرے ٹکڑے کردے۔''

حضرت علیؓ: ''اے عمرو! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو مطالبات کرے گا تو ان میں سے ایک ضرور مان لے گا۔''

عمرو ابن عبدود: ہاں! میں نے ایسا کہا ہے لیکن تو یہ کیوں پوچھتا ہے؟''

حضرت علیؓ: ''میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ میں تم سے دو مطالبات کرنا چاہتا ہوں۔''

عمرو بن عبدود: ''تم اپنے مطالبات پیش کرو میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔''

حضرت علیؓ: ''میرا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ اسلام قبول کر لے۔''

عمرو ابن عبدود: ''مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ میں تمہارا مطالبہ رد کرتا ہوں دوسرا مطالبہ پیش کرو۔''

حضرت علیؓ: ''میرا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ آ اور میرے ساتھ مقابلہ کرتا کہ میں اپنی ذوالفقار سے تیرا سر قلم کردوں۔''

یہ سن کر وہ کافر گھوڑے سے کود گیا اور تلوار لیکر شیر خدا کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دونوں تلواریں ٹکرا گئیں اور پھر مسلسل ٹکراتی رہیں۔ دونوں بہادر تھے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے۔ دفاع بھی کرتے رہے لیکن دونوں میں ایک فرق تھا۔ ایک غرور و تکبر میں ڈوبا ہوا تھا۔ دوسرا

کمال عجز سے اپنے خالق سے فتح و نصرت کا طالب تھا۔ ایک پتھروں کا پجاری تھا اور دوسرا خالق ارض و سموات کا نام لیوا تھا۔ گھمسان کے معرکہ میں اس قدر گرد و غبار اڑا کہ مسلمانوں کو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ بس یا ھبل! اور یا اللہ! کے نعرے سنائی دیتے تھے۔ پھر شور و غل تھم گیا۔ ایک سناٹا چھا گیا..........اور پھر گرد و غبار چھٹ گیا تو ایمان والوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ شیر خدا عمرو بن عبدود کی چھاتی پر سوار تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ذوالفقار بجلی کی طرح کوندی اور کافر کا سرتن سے جدا ہوگیا۔ ضرب حیدری کا یہ مظاہرہ دیکھ کر میدان نعرۂ تکبیر کی آوازوں سے گونج اٹھا۔

اللہ کا شیر غالب آچکا تھا...............(سبحان اللہ)

3- ظالم کو کیسے عادل کہوں!

خاندان تغلق سے تعلق رکھنے والا بادشاہ محمد تغلق عجیب مجموعۂ اضداد تھا۔ اولیائے کرام اور بزرگان دین سے اسے عجیب طرح کی ضد تھی۔ انہیں آزماتا رہتا تھا اور ظلم و ستم کا نشانہ بناتا رہتا تھا۔ شیخ شہاب الدین ایک بزرگ اس کے ہم عصر تھے اور محمد تغلق کے ظلم و ستم کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

محمد تغلق نے ایک دفعہ فرمان جاری کیا کہ اس کے نام کے ساتھ لفظ عادل لکھا جایا کرے۔ اکثر لوگوں نے اس حکم کو قبول کر لیا۔ اگرچہ ان میں سے بعض اسے غلط سمجھتے تھے لیکن وہ مصلحت وقت سمجھ کر مجبور ہوگئے کیونکہ اس حکم سے سرتابی کا نتیجہ موت بھی ہوسکتا تھا۔ شیخ شہاب الدین نے سلطان ہند محمد تغلق کا یہ فرمان ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص ظالم ہو اس کو کس طرح عادل تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ محمد تغلق بہت ظالم شخص تھا اور کئی علماء کو قتل کروا چکا تھا۔ محمد تغلق کو جب اس بات کا علم ہوا کہ شیخ شہاب الدین نے اسے عادل ماننے اور لکھنے سے انکار کر دیا ہے تو اس کے غصہ کی حد نہ رہی۔ اس نے شیخ صاحب کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ کہنے لگا:

محمد تغلق: ''ہم نے ایک حکم جاری کیا تھا جسے سب نے قبول کرلیا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

شیخ شہاب الدین: ''میں ظالم کو عادل نہیں کہہ سکتا۔''

محمد تغلق: ''تو گویا تم ہمیں ظالم کہتے ہو۔''

شیخ شہاب الدین: ''اس حقیقت سے آپ اچھی طرح آگاہ ہیں۔''

یہ سن کر ظالم آپے سے باہر ہوگیا اور شیخ صاحب کو شاہی قلعہ دہلی سے نیچے گرا کر مروا ڈالا۔

4۔ اللہ کی تلوار (غزوہ موتہ)

شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کا گورنر تھا تمام بین الاقوامی اصولوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مظلوم قاصد کا بدلہ لینے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لشکر پر حضرت زید بن حارثہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ ان کی شہادت کی صورت میں جعفر اور ان کی شہادت کی صورت میں عبداللہ ابن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔

مدینہ منورہ سے لشکر شمال کی جانب روانہ ہوگیا۔ لشکر جب شامی علاقہ میں واقع ایک سرحدی مقام ''معان'' میں خیمہ زن ہوا تو وہاں جاسوسوں نے انتہائی پریشان کن اور خوفناک خبر دی کہ روم کا بادشاہ خود ایک لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ ایک مقام مآب پر خیمہ زن تھا اور اس کی مدد کے لئے مختلف شامی قبائل کے ایک لاکھ جنگ جو اکٹھے ہوگئے تھے۔ اب مسلمانوں کے سامنے سوال یہ تھا کہ تین ہزار افراد دو لاکھ کے لشکر سے کس طرح مقابلہ کریں گے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حالات سے آگاہ کر دیا جائے اور ان کے فیصلہ یا کمک کا انتظار کیا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے جب یہ تجویز سنی تو اس کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا:

خدا کی قسم! ہم جس چیز کی طلب میں نکلے ہیں وہ شہادت ہے اور اب جبکہ وہ سامنے نظر آ رہی ہے تو اس سے کیونکر کترا جائیں۔ دشمن سے ہماری لڑائی کثرت و قلت یا قوت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ایک نصب العین۔ ایک دین کی بنیاد پر ہے۔ مقابلہ کی صورت میں ہمیں دو میں سے ایک بھلائی ضرور نصیب ہوگی غلبہ یا شہادت۔"

حضرت عبداللہ کے ایمان افروز خطاب نے مسلمانوں کے دلوں میں نئی روح پھونک دی اور تین ہزار اللہ کے سپاہی دو لاکھ ٹڈی دل سے ٹکرانے کے لئے حرکت میں آ گئے۔

جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو زمانے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آسمان تھرا کر رہ گیا............ اللہ! اللہ! ایک مسلمان کے مقابلہ میں 69 کافر.................!

یہ کیسا مقابلہ تھا!

یہ کیا تناسب تھا!

لیکن ایسا ہو جایا کرتا ہے...... جب ایمان کی باد بہاری چلتی ہے تو ایسے ہی عجائبات ظہور میں آتے ہیں۔

حضرت زید بن حارثہ نے اس وقت تک پرچم اسلام کو بلند رکھا جب تک جسم اور جان کا رشتہ باقی رہا جب یہ رشتہ منقطع ہوا تو جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا اٹھالیا۔ جسم پر تیر تلوار اور نیزہ کے نوے زخم کھا کر جنت کو سدھارے تو مسلمانوں کی امانت' پرچم اسلام حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے سپرد کر دیا۔ وہ بھی عظمت اسلام پر قربان ہو گئے۔ انتہائی تعجب اور غور کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر گئے لیکن اس کے نتیجہ میں ان میں کسی قسم کے شکست کے آثار نمودار نہ ہوئے حالانکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ جب کسی لشکر کا سپہ سالار مارا جاتا ہے تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ان تین سپہ سالاروں کی نشان دہی اور تقرر تو محسن انسانیت نے روانگی کے وقت کر دیا تھا۔ اب اس

مشکل ترین صورت حال میں کون جھنڈے کو سنبھالتا۔

اللہ اکبر! جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے تھام لیا۔ یعنی خالد سیف اللہ میدان میں خم ٹھونک کر اتر آئے۔

حضرت خالد بن ولید کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ دشمن پر زبردست خوف و ہراس مسلط کر کے مسلمانوں کو نکال لے جانا چاہتے تھے تاکہ دشمن تعاقب کی جرأت نہ کر سکے۔ وہ پہلے روز دشمن کے مقابلہ میں بڑی جرأت و استقامت سے ڈٹے رہے۔ دوسرے روز انہوں نے اسلامی سپاہ کی ترتیب بدل ڈالی۔ میمنہ۔ میسرہ اور مقدمہ کو بدل ڈالا۔ دشمن گھبرا گیا اور اس نے سمجھا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی۔ ایک زبردست جھڑپ کے بعد حضرت خالد نے مسلمانوں کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ رومیوں نے اسے ایک جنگی چال سمجھا۔ وہ یہ سمجھے کہ مسلمان انہیں صحرا میں پھنسا دینا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے مسلمانوں کا تعاقب بھی نہ کیا اور واپس اپنے پڑاؤ میں چلے گئے اور حضرت خالد بن ولید مسلمانوں کو لے کر نکل گئے۔ اس معرکہ کے دوران ان کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں۔

انتہائی حیران کن بات ہے کہ مسلمانوں کے شہداء کی تعداد صرف بارہ تھی۔

5- ''مسیلمہ! تو کذاب ہے''

مسیلمہ کذاب اہل یمامہ کا سردار تھا۔ بدنصیب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ قبیلہ کے چالیس ہزار افراد اس کے پیروکار بن کر مرتد ہو گئے تھے۔ جو شخص مسیلمہ کو نبی تسلیم نہ کرتا اسے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ حضرت حبیب بن زید عمان سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ان ظالموں کے ہتھے چڑھ گئے۔ وہ ایک بلند پایہ صحابی تھے۔ ان کو گرفتار کر کے مسیلمہ کذاب کے پاس لے جایا گیا۔ مسیلمہ نے کہا:

مسیلمہ کذاب: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں''......؟

حبیبؓ: ''بلاشک وشبہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

مسیلمہ کذاب: ''کیا تم مجھے بھی نبی ماننے کو تیار ہو؟''

حبیبؓ: ''ہرگز نہیں!''

مسیلمہ کذاب: ''پھر تم میرے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟''

حبیبؓ: ''میں تمہیں کذاب سمجھتا ہوں۔''

مسیلمہ: ''میری نبوت کا انکار دنیا و آخرت کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔''

حبیبؓ: ''میں تمہیں یہ مقام نہیں دیتا۔ یہ مقام میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ جن پر میری جان قربان ہے''

مسیلمہ: ''تم بیشک انہیں بھی نبی مانو لیکن میری نبوت کا بھی اقرار کرو۔''

حبیبؓ: ''ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ میرے آقا خاتم النبین ہیں۔''

مسیلمہ: ''میری نبوت کے انکار کا مطلب سمجھتے ہو؟''

حبیبؓ: ''مجھے اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں''

مسیلمہ: ''تمہاری جان بھی جاسکتی ہے۔''

حبیبؓ: میں ایک جان نہیں سو جان اپنے آقا کی سچی نبوت کی عظمتوں پر قربان کرنے کیلئے تیار ہوں۔''

اسکے بعد مسیلمہ کذاب ظالم نے آپ کا ایک عضو بدن کاٹ کر شہید کر ڈالا لیکن آپ نے اس کی نبوت کا اقرار نہ کیا۔

6- میں مسیلمہ کذاب کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گی

حضرت ام عمارہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ میدان احد ان کی عظمت و جرأت کا شاہد ہے۔ ان کی وفا داریوں اور جانثاریوں کے نقوش صفحۂ ہستی پر اس قدر گہرے ہیں کہ قیامت تک ان کی درخشندگی میں کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ احد کے میدان میں جب

مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو ام عمارہ بھی ان جانثاروں میں شامل تھیں جنہوں نے اپنے جسموں پر تلواروں اور نیزوں کے وار روک کر خود کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنا لیا تھا۔ آپ کو کئی زخم آئے۔ ابن قمیہ نے آپ پر سخت وار کیا جس سے ان کو سخت زخم آیا۔ زخم بھر تو گیا لیکن جسم پر موجود گھاؤ کا گہرا نشان ان کے جذبۂ فدائیت کا منہ بولتا ثبوت بن گیا۔

جب مسیلمہ کذاب نے ظلم وستم کی انتہاء کرتے ہوئے انکے بخت جگر حضرت حبیبؓ کو شہید کر دیا تو انہوں نے عہد کر لیا کہ اپنے ہاتھوں سے مسیلمہ کذاب کو جہنم کا راستہ دکھائیں گی۔ پس جب خالد سیف اللہ کی سپہ سالاری میں لشکر روانہ ہوا تو حضرت ام عمارہ اس کے ہمراہ روانہ ہوگئیں۔ جب لشکر آپس میں برسرپیکار ہوگئے تو حضرت ام عمارہ زخم پر زخم کھاتی ہوئی مسیلمہ کذاب کے سر پر پہنچ گئیں۔ آپ نے تلوار ہوا میں بلند کی لیکن اس سے پہلے ہی اس ازلی مرتد پر دو تلواریں وارد ہو چکی تھیں۔ حضرت ام عمارہ نے جب پلٹ کر حملہ کرنے والوں کو دیکھا تو ایک ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زیدؓ اور دوسرے حضرت وحشیؓ تھے۔

حضرت حبیبؓ کا بدلہ ان کے بھائی عبداللہ نے لے کر ماں کے عہد کو سچ کر دکھایا۔

(سبحان اللہ)

7- جہانگیر کی کایا پلٹ

اقتدار و اختیار بادشاہوں کو بغاوت پر اکسانے کا کام کرتا رہتا ہے اسلئے اس پر خوف خداوندی کا کوڑا ہونا ضروری ہے۔ اکبر اعظم کا دور ہندوستان میں مغلوں کے عروج کا دور تھا۔ حکومت مضبوط تھی ملک میں امن و امان تھا۔ لوگ خوش حال تھے۔ اکبر خود تعلیم سے بے بہرہ تھا اسلئے اس نے اپنے ارد گرد جمع ہونے والے خود غرض، مطلب پرست اور لادین عناصر کے زیر اثر مذہب اسلام میں بھی مداخلت شروع کر دی اور پھر ایک نیا مذہب ''دین الٰہی'' کے نام سے متعارف کروا دیا۔

اللہ کے شیر حضرت مجدد الف ثانی یقین کامل کی شمع ہاتھ میں لئے اکبر کے جبروت کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ قید و ہند کے فکر سے بے نیاز ہو کر اکبر کے لادینی نظریات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ سوچا جائے تو یہ بہت بڑی ہمت کا کام تھا۔ کیونکہ پورا ہندوستان اکبر کی حمائیت پر تھا۔

اکبر کے بعد جہانگیر نے بھی لادینی نظریات سے کنارہ کشی نہ کی دراصل ہندوستان میں راجپوت (ہندو) بہت بڑی قوت تھے ان کی حمائیت حاصل کرنے کے لئے وہ مذہب کے بارے میں نرم پالیسی اختیار کرتے تھے بلکہ راجپوتوں میں شادیاں بھی کر لیا کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے جہانگیر کے خلاف بھی اپنا جہاد جاری رکھا۔ جہانگیر نے تشدد سے کام لیا لیکن آپ نے کسی قسم کا سمجھوتا نہ کیا۔ آخر آپ کو قید کر دیا گیا اور آپ صبر و استقامت سے ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے۔

جہانگیر کی بیٹی کو خواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہانگیر کے اعمال پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا شہزادی بیدار ہوئی تو سخت خوف زدہ تھی۔ اس نے اپنے خواب کا تذکرہ جہانگیر سے کیا۔ وہ بھی ڈر گیا اور حضرت مجدد الف ثانی کی فوری رہائی کا حکم جاری کر دیا لیکن آپ نے قید خانہ سے باہر آنے سے انکار کر دیا جہانگیر خود حاضر خدمت ہوا اور وجہ دریافت کی۔ آپ نے رہائی کیلئے چند شرائط پیش کیں۔ جہانگیر نے آپ کی سب شرائط قبول کر لیں۔

دین الٰہی کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ مذہب اسلام میں کی جانے والی تمام بدعات کو ختم کر دیا گیا۔ اسلام کی حقانیت کو قبول کیا گیا اور ہندوستان میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

قید و بند سے رہائی کے بعد آپ کے زہد' تقویٰ اور اخلاق سے جہانگیر بے حد متاثر ہوا۔ عمر بھر آپ کی خدمت کرتا رہا اور آپ کے احکام کی بجا آوری کرتا رہا۔ حضرت مجدد بھی جہانگیر کی دینی خدمات سے متاثر ہو گئے اور اس سے محبت کرنے لگے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

اے جہانگیر! جب جنت کے دروازہ پر پہنچوں گا تو تمہارا انتظار کروں گا۔"

8-ان کشتیوں کو آگ لگا دو! (طارق)

ولید بن عبدالملک بن مروان کی خلافت کا دور ہے..................

حضرت موسیٰ بن نصیر مفتوحہ افریقی ممالک کا گورنر ہے..................

اندلس کا ظالم حکمران اپنے ایک سردار جولین کی لڑکی کی عصمت لوٹ لیتا ہے......

جولین موسیٰ بن نصیر کے پاس جا کر اپنی داستان الم بیان کرتا اور مسلمانوں کو راڈرک کے ظلم وستم سے اہل اندلس کو نجات دلانے کی دعوت دیتے ہوئے ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کراتا ہے..........

موسیٰ ولید بن عبدالملک کی اجازت سے طارق کو اندلس پر حملہ کرنے کیلئے بھیجتا ہے۔

طارق سمندر کو عبور کرنے کے بعد کشتیوں کو جلانے کا حکم دے دیتا ہے..........

سپاہ حیران ہے کہ واپس کس طرح جا سکیں گے۔ جب طارق بن زیاد کو لوگوں کے تذبذب کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو وہ لوگوں کو جمع کر کے انہیں یوں خطاب کرتا ہے۔

"ہم واپس جانے کیلئے نہیں آئے یا تو اس ملک کو فتح کر کے یہاں رہیں گے یا پھر ظلم کی بیخ کنی اور مخلوق خدا کو ظلم سے نجات دلانے کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیں گے۔ دونوں صورتوں میں یہ کشتیاں ہمارے کسی کام کی نہیں..............

جاؤ! جا کر انہیں جلا دو اور اس خیال کو دل میں بسا کر اندلس میں گھس جاؤ کہ واپس جانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے..................

اور پھر..................

چشم فلک نے دیکھا کہ طارق ان مٹھی بھر شیروں کے ساتھ راڈرک کے ساتھ ٹکرا گیا۔

ظلم مٹ گیا۔ اندلس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک "اللہ اکبر" کے نعروں کی گونج سنائی دینے لگی۔

9-راج پال کو میں نے قتل کیا ہے

یہ لاہور کا مشہور موچی دروازہ ہے..................

پنجاب کی مشہور جلسہ گاہ..................

احتجاجی جلسہ ہو رہا ہے.................. ایک متعصب ہندو دریدہ دہن گستاخ راج پال نے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس گستاخ نے اس کتاب میں محسن انسانیت' رحمت کامل' حبیب کبریا' محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف گستاخی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے۔

ایک جوان دن بھر کی محنت و مزدوری کے بعد گھر جاتے ہوئے وہاں سے گذرتا ہے۔

جلسہ گاہ کے قریب چلا جاتا ہے۔ایک آدمی سے پوچھتا ہے۔ بھائی یہ کیسا جلسہ ہے؟

''ایک ہندو نے ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں گستاخی کی ہے''

وہ آدمی پیچھے مڑ کر جواب دیتا ہے۔

جوان کچھ دیر وہاں کھڑا تقریر سنتا رہتا ہے۔ پھر گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ اس کے سینے میں آگ بھڑک رہی ہے۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے لیکن دل میں عشق حبیب کبریا کا سمندر ضرور موجزن ہے۔

بے اختیار اپنے آپ سے سوال پوچھتا ہے۔'' علم الدین! کیا یہی کچھ کافی ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں؟''

- زبان بند ہے لیکن دل پکار اٹھتا ہے۔''نہیں! نہیں! ہرگز نہیں!''

''پھر؟''..................

پھر یہ کہ وہ قلم باقی نہ رہے وہ زبان سلامت نہ رہے۔ وہ ذہن زندہ نہ رہے۔ وہ ہاتھ ٹوٹ جائیں جو میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس سے گستاخانہ کلمات قرطاس ابیض پر منتقل کرنے کی جسارت کریں۔

پھر..................علم الدین شہید خنجر بکف گستاخ

کی دکان کے سامنے نمودار ہوتا ہے..................

نہ چہرے پر خوف و تردد کے اثرات ہیں' نہ ٹانگیں کانپ رہی ہیں نہ ہاتھوں میں لرزش ہے بلکہ چہرے پر ایک ابدی سکون ہے۔ پھر قرب و جوار کے دکانداروں کی سماعتوں سے یہ الفاظ ٹکراتے ہیں..................

اے راج پال! محمد عربی کا ایک ادنیٰ غلام' گدائے کوئے مصطفےٰ آ پہنچا ہے تو اپنی حمائت میں جس کو بھی بلانا چاہتا ہے بلا لے۔ پھر..................

علم الدین بنیے کی دکان میں داخل ہو جاتا ہے۔ راج پال بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن مجاہد کا ہاتھ ہوا میں بلند ہوتا ہے اور خنجر اس غلیظ دل میں اترتا چلا جاتا ہے جس میں اس کے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف زہر ہی زہر ہے..................

منظر بدلتا ہے..................

غازی علم الدین شہید جیل میں ہے۔ ہندوستان بھر کے مسلمان وکلاء اس کا مقدمہ لڑ رہے ہیں۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت پر یہ مقدمہ بھاری پڑ رہا ہے۔ حکومت غازی علم الدین شہید کو کوئی سخت سزا دینا نہیں چاہتی لیکن عدالتی تقاضوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ مقدمے کا بڑا وکیل غازی علم الدین شہید سے ملاقات کیلئے آیا ہوا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ غازی صرف ایک مرتبہ اپنی زبان سے یہ کہہ دے کہ اس نے راج پال کو قتل نہیں کیا۔

لیکن..................وہاں مسلسل انکار ہے.................. ....

میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں!

راج پال کو میں نے قتل کیا ہے..................

میں اس کا اقرار عدالت میں کروں گا..................

تختۂ دار پر کروں گا..................

غازی علم الدین شہید نے ہر عدالت میں قتل کا اقرار کیا...............

ماتحت عدالت میں.................

سیشن جج کی عدالت میں.................

ہائی کورٹ میں.................

سپریم کورٹ میں.................

تختۂ دار پر کھڑے ہو کر.................

پھانسی کا پھندہ گلے میں ڈال کر.................

آخر اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میانوالی جیل میں ابدی مسرتوں کی راہ پر گامزن کر دیا گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

10- شیر کی ایک روزہ زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے

دکن میں کئی اسلامی ریاستیں تھیں۔ میسور کی ریاست اپنے شیر دل اور باغیرت حکمران سلطان فتح علی ٹیپو شہید کے حوالہ سے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کیلئے تین زبردست اقدام کئے۔ مقامی حکمرانوں کے اختلافات کو ہوا دی اور اس سے زبردست فائدہ اٹھایا۔ رشوت کا بازار گرم کر دیا اور ہر ریاست میں اپنے حمایتی تیار کر لئے۔ اقتدار کا جھوٹا لالچ دے کر غداروں کا ایک بڑا گروہ تیار کر لیا۔

انگریز ٹیپو سلطان سے سخت خوف زدہ تھے یہاں تک کہ انگریز مائیں اپنے بچوں کو سلطان ٹیپو کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔ یہاں بھی انہوں نے اپنا تیسرا حربہ.....غداری استعمال کیا۔ ٹیپو سلطان کے امراء سے ساز باز کر لی۔ اس کے نتیجہ میں ٹیپو سلطان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن ٹیپو سلطان خود اپنی آخری سانسوں تک انگریزوں کے خلاف نبرد آزما

رہا۔ جب ٹیپو سلطان کے وفادار ساتھیوں کو غداروں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں شکست کے آثار نظر آنے لگے اور زخمی ٹیپو سلطان کو لے کر کہیں نکل جانے کی پیشکش کی تو اس نے تلوار لہراتے ہوئے کہا:

فرار؟ نہیں! ہرگز نہیں! اور پھر اس مرد مجاہد کے منہ سے وہ مشہور جملہ نکلا جو آج تک زباں زد عام ہے۔

"شیر کی ایک روزہ زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

11- "ہاں! میں نے خط لکھا ہے"

دہلی کا بادشاہ سلطان شمس الدین التمش نہایت نیک اور پارسا تھا۔ اپنے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے ان کا شمار اولیاء میں ہوتا تھا۔ ملتان کا حکمران ناصرالدین قباچہ التمش کی شان و شوکت اور سطوت و قوت کا حاسد تھا اور ان کے خلاف معاندانہ سازشوں کے جال پھیلایا کرتا تھا۔ ملتان میں ان دونوں مشہور بزرگ شیخ بہاالدین زکریا ملتانی قیام پذیر تھے۔ وہ التمش کی عظمت کے دل سے قائل اور قباچہ کی حرکات کو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے اس زمانہ کے مشہور عالم اور ملتان کے قاضی مولانا اشرف الدین اصفہانی کو قباچہ کے خلاف التمش کو لکھنے کیلئے کہا چنانچہ دونوں نے قباچہ کے خلاف لکھا اور اسکی معاندانہ حرکات سے التمش کو آگاہ کیا لیکن بدقسمتی سے یہ دو خطوط کسی طرح قباچہ کے ہاتھ لگ گئے۔

قباچہ نے جب حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو اپنے دربار میں بلا کر ان کے خط کے بارے میں بات کی تو وہ ذرا بھر نہ گھبرائے اور اس بات کا اقرار کرلیا کہ انہوں نے التمش کو قباچہ کے خلاف خط لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ حق ہے اور وہ ہرگز اس پر منفعل یا پشیمان نہیں ہیں۔

جب حضرت بہاء الدین زکر ملتانی نے عین جلال کے عالم میں فرمایا:

"قباچہ! میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنے اللہ کے حکم اور اسکی منشا کے مطابق لکھا"..... تو

یہ سن کر قباچہ پر لرزا طاری ہو گیا اور وہ معافی کا خواستگار ہوا۔

آپ یہ کہتے ہوئے اس کے دربار سے رخصت ہو گئے کہ اگر وہ اپنی حرکات سے باز نہ آئے گا تو اس کا انجام بہت برا ہو گا۔

قباچہ اس سے پہلے ان کی آنکھوں کے سامنے اشرف الدین کو اسی جرم کی سزا کے طور پر موت کے گھاٹ اتار چکا تھا..................

لیکن اللہ کے شیروں کو کس بات کا خوف!..................

ساتواں باب

مواخذہ

1- بیٹے کی پیٹھ پر کوڑے

غریب بیوہ کی نوجوان بچی کو رئیس شہر کا بیٹا اٹھا کے لے جائے

خدایا! عمر کی اس دور کو ضرورت ہے جو سرکشوں کی سر بزم کھال کھنچوائے

خلیفۂ ثانی عمر ابن خطابؓ

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ

شہنشاہ عدل و مساوات فاروق اعظمؓ

حجاز، شام، فلسطین، مصر، یمن، عراق اور ایران و روم کے مفتوحہ علاقوں کا فرمانروا۔ فاتح اعظمؓ اپنے دربار عالیہ میں جلوہ فرما ہے۔

دربار کی شان کیا ہے؟

کئی لاکھ مربع میل سطح ارضی کا فاتح اور حکمران مسجد نبوی کے کچے فرش پر تشریف فرما ہے۔ کوڑا گود میں پڑا ہے۔ یہی دربار ہے!

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ابوشحمہ تھا۔ وہ نوعمر اور ناتجربہ کار تھا۔

یہودی نوجوانوں نے ایک سازش کے تحت اسے اپنی محفل میں لے جا کر شراب پلادی۔

شراب ام الخبائث ہے .... یہ دوسری برائیوں کیلئے راستہ کھول دیتی ہے۔

شراب کے نشہ میں انسان زنا کا ارتکاب بھی کر لیا کرتا ہے دوسرے جرائم کا تو ذکر ہی کیا۔

امیر عادل .... فاروق اعظمؓ کو شکایت موصول ہوئی۔

بلا ادنیٰ تردد بیٹے کو طلب فرمایا

بیٹے نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔

اس جرم کی سزا اسی کوڑے تھی حکم جاری کردیا کوڑے لگائے

جانے لگے..................

کہا جاتا ہے کہ کوڑے لگانے والا نرم ہاتھ سے کوڑے لگا رہا تھا امیر المؤمنین نے کوڑا ہاتھ میں لے کر اسے بتایا کہ یوں کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اسی کوڑے کھانے سے قبل ہی نوجوان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی..................لوگوں نے جب اس امر کی نشاندہی کی تو امیر عادل نے فرمایا کوڑے پورے کئے جائیں گے۔

سزا پوری ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

کسی نے پوچھ لیا امیر المؤمنین یہ کیا؟

فرمایا کوڑے لگوانے والا امیر المؤمنین تھا' آنسو بہانے والا اس کا باپ ہے۔

2- اسے بوریئے کا لباس پہنا دو

امیر المؤمنین عمرؓ ابن خطاب جب کسی کو عامل یا گورنر کے عہدہ پر فائز کرتے تو اس سے عہد لیتے:۔

1- نفیس لباس نہیں پہنوں گا

2- دروازے پر دربان کھڑا نہیں کروں گا

3- چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں کروں گا

4- لوگوں سے ملنے سے احتراز نہیں کروں گا

یہی عہد ایاز سے لیا گیا اور اسے مصر کا گورنر مقرر کر دیا گیا مصر کی نفاست اور تہذیب و تمدن دیکھ کر ایاز بھی بہک گئے محل میں رہنے لگے۔ دروازے پر دربان کھڑا کر دیا۔ نفیس لباس پہننے لگے۔ لوگوں کو گورنر سے ملاقات میں پریشانی ہونے لگی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بھی کمال تھا کہ وہ اپنے عاملوں اور گورنروں کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

ایاز کے بارے میں یہ شکائیت امیر المؤمنین کو موصول ہوگئی۔ ایک شخص کو حالات

معلوم کرنے کیلئے بھیجا اور ہدائیت کی کہ اگر یہ شکایات درست ہوں تو ایاز جس حالت میں ہو اسی حالت میں لا کر میرے سامنے پیش کیا جائے۔ جب امیرالمؤمنین کا نمائندہ مصر پہنچا تو ایاز کو نفیس لباس میں ملبوس اپنے محل میں پایا۔ ایاز کو جب خلیفۃ المسلمین کا پیغام پہنچا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے لباس تبدیل کرنا چاہا لیکن اسے اس کی اجازت نہ دی گئی اور اسی نفیس لباس میں لا کر امیرالمؤمنین کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

قارئین محترم! یہ کوئی زیادتی نہ تھی کیونکہ امیرالمؤمنین نے خود موٹا لباس پہنا ہوا تھا جس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایاز کو نفیس لباس میں دیکھ کر غضبناک ہوئے۔ اس کا نفیس لباس اتروا دیا اور اسے ٹاٹ کا لباس پہنا کر حکم دیا کہ جاؤ جنگل میں جا کر بیت المال کی بکریاں اور اونٹ چراؤ۔

ایاز شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے۔ انکار کی جرأت کہاں سے لاتے؟

زبان سے صرف یہ کہہ سکے کہ اس سے تو موت بہتر ہے!

امیرالمؤمنین فرمانے لگے:

کیوں! میں نے تمہارے آباؤ اجداد کو اسی قسم کا لباس پہن کر اونٹ چراتے دیکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منت کی اور ایاز کی خطا اس شرط پر معاف کرنے پر آمادہ کر لیا کہ آئندہ مقرر شرائط کی پوری پابندی کریں گے۔

ایاز نے ہر طرح سے یقین دہانی کرائی تو اسے اپنے سابقہ منصب پر بحال کر دیا گیا۔

پھر کبھی ایاز کے بارے میں شکایت موصول نہ ہوئی۔

3- ''ہم آپ کا سر قلم کر دیں گے''

مواخذہ کرنا آسان ہے..................لیکن

مواخذہ کیلئے خود کو پیش کرنا مشکل ہے.............لیکن

تاریخ شاہد ہے کہ یہ دونوں صورتیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے آسان تھیں وہ بڑے سے بڑے آدمی کا بلا جھجک مواخذہ کرلیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شخص ان کا مواخذہ کرنا چاہتا تو سر جھکا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں مسلمانوں سے خطاب فرما رہے تھے کہ اچانک ایک سوال کیا:

"اگر میں اسلام کے اصولوں سے روگردانی کروں تو تم کیا کرو گے؟"

یہ سوال سن کر فوراً ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اسے لہرا کر بلاخوف و تردد کہنے لگا:

"ہم آپ کا سر قلم کردیں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکے دعویٰ کے خلوص کو آزمانے کیلئے مصنوعی غصہ سے کہا:

"کیا تم ہوش میں ہو؟ جانتے ہو کس سے مخاطب ہو اور کیا کہہ رہے ہو؟"

اس شخص نے پورے وقار اور بھرپور اعتماد سے جواب دیا:

"امیر المؤمنین عمرؓ:" "میں تمہارے جذبۂ ایمانی کی تعریف کرتا ہوں اور مالک ارض و سموات کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کو یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے امیر کا مواخذہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

بیشک تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ عمرؓ اگر راہ مستقیم سے بھٹک جائے تو تم نوک شمشیر سے اسے سیدھا کردو۔

منظر بدلتا ہے

4- "آپ کا کرتہ کیسے بن گیا"؟

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں مومنوں سے خطاب فرمانے والے ہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق کا جانشین منبر پر قدم رکھتا ہے۔ اللہ کی قدوسیت سے اپنے خطاب کا آغاز کرتا ہے۔ اچانک ایک آدمی کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ہاتھ بلند کر کے کہتا ہے۔

"امیرالمؤمنین! ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے۔"

امیرالمؤمنین: (انتہائی صبر و تحمل سے)

کیوں؟ تم میری بات کیوں نہیں سنو گے؟"

وہ شخص: "خطاب سے قبل آپ کو ایک بات کی وضاحت کرنا ہوگی۔"

امیرالمؤمنین: "میں ہر وضاحت اور جواب دہی کیلئے حاضر ہوں!"

وہ شخص: "یہ کرتہ جو آپ نے زیب تن کر رکھا ہے اس کا کپڑا کہاں سے حاصل کیا گیا ہے؟"

امیرالمؤمنین: "بیت المال سے!"

وہ شخص: "پھر یقیناً کپڑے کی تقسیم میں عدل و مساوات کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا؟"

امیرالمؤمنین: "یہ نتیجہ تم نے کس طرح اخذ کیا؟"

وہ شخص: "امیرالمؤمنین! مجھے بھی بیت المال سے یہ کپڑا ملا لیکن اس سے میرا کرتہ نہ بن سکا۔ آپ کا کرتہ کس طرح تیار ہو گیا حالانکہ آپ کا قد بھی بڑا ہے؟"

امیرالمؤمنین: "(مسکرا کر) اس سوال کا جواب میرا بیٹا عبداللہ دے گا آپ کا اشارہ پا کر عبداللہ ابن عمر کھڑے ہو جاتے ہیں اور یوں گویا ہوتے ہیں:

"برادران اسلام! امیرالمؤمنین کا کرتہ پھٹا ہوا تھا۔ پیوند پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ بیت المال سے جب کپڑا تقسیم ہوا تو ہم نے دیکھا کہ یہ کم ہے اس میں انکا کرتہ تیار نہیں ہوسکتا تو میں نے اپنے حصہ کا کپڑا خوشی خوشی ان کو دے دیا۔ اس سے یہ کرتہ تیار ہو گیا جو امیرالمؤمنین اس وقت زیب تن کیے ہوئے ہیں۔

وہ شخص کہنے لگا: امیرالمؤمنین! میں بدگمانی پر معذرت خواہ ہوں۔ میرے ایمان نے گوارہ نہ کیا کہ ایک خامی دیکھ کر چشم پوشی کرلوں اب آپ خطاب فرمایئے۔ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطاب شروع کیا تو پہلے اس شخص کے جذبۂ ایمانی اور جرأت کردار و افکار کی تعریف کی۔

5-ڈنڈا لے کر شراب کے مٹکے توڑ ڈالے

بغداد کے ایک خلیفہ کا نام معتقد باللہ تھا۔ خلیفہ شراب کا رسیا تھا۔ اس کیلئے باہر سے کشتیوں پر شراب منگائی جاتی تھی۔ اس روز ایک کشتی پر شراب کے چند مٹکے لائے جا رہے تھے۔ اسی کشتی پر اس زمانہ کے بڑے مشہور عالم ابوالحسن نوری سوار تھے۔ انہوں نے مٹکے دیکھ کر ملاح سے پوچھا:

ابوالحسن: "ارے میاں! ان مٹکوں میں کیا ہے؟"

ملاح: "ان مٹکوں میں شراب ہے۔"

ابوالحسن: "اللہ سے ڈرو! تم کھلے بندوں یہ کیا کاروبار کر رہے ہو؟"

ملاح: "میں مجبور ہوں کیونکہ یہ شراب خلیفہ کیلئے منگوائی گئی ہے۔"

ابوالحسن: "جرم تو جرم ہوتا ہے خواہ کوئی عام آدمی کرے یا خلیفہ۔"

یہ کہہ کر ایک ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ کشتی کا ملاح اور مسافر بہت خوف زدہ ہوگئے۔ ان کی حالت کا اندازہ لگا کر حضرت ابوالحسن کہنے لگے:

ابوالحسن: 'میں نے جو عمل کیا ہے اس کی ذمہ داری قبول کروں گا۔ بیشک خلیفہ کو خبر دے دی جائے کہ یہ عمل میں نے کیا ہے۔"

خلیفہ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ میں جلنے لگا اور حضرت ابوالحسن نوری کو دربار میں طلب کیا۔

آپ بلا خوف و خطر دربار میں پہنچے خلیفہ نے غضب ناک ہوکر پوچھا:

خلیفہ: ''تم کون ہو؟''

ابوالحسن: ''میں محتسب ہوں!''

خلیفہ: ''تمہیں کس نے محتسب بنایا ہے؟''

ابوالحسن: ''جس نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے!''

یہ برجستہ اور جرأت مندانہ جواب سن کر خلیفہ خاموش ہوگیا۔ حضرت ابوالحسن نوری نے بلاشبہ احتساب و مواخذہ کا حق ادا کر دیا۔

6- تم بھی گورنر زادے کو کوڑے لگالو

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بلند پایہ صحابی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ایک دفعہ ان کے بیٹے نے ایک مصری کو بلاوجہ کوڑے لگادیئے۔ اس وقت وہ مظلوم خاموش رہا لیکن حج کے موقع پر اس نے امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں شکایت پیش کر دی۔ انہوں نے دونوں باپ بیٹوں کو طلب فرما لیا اور باپ کی موجودگی میں مصری کو کہا کہ تم بھی گورنر زادے کو اتنے کوڑے لگا لو جتنے اس نے تمہیں لگائے تھے۔

جب مجرم کو اپنے جرم کی سزا مل چکی تو امیرالمؤمنین نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''انکی ماں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔ تم نے کب سے انہیں اپنا غلام بنالیا؟''

7- شکنتلا

شکنتلا بنارس کے ایک مشہور پنڈت خاندان کی دوشیزہ تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے حسن و جمال کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا وہ پنڈت لالہ رام کاسی کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ماں باپ اسے دیکھ کر جیتے تھے۔ شہر میں جس طرف نکل جاتی لوگ پیکرِ حسن و خوبی کو دیکھ کر محو

حیرت رہ جاتے۔ صورت کے ساتھ سیرت بھی اچھی پائی تھی۔ بنارس کے معزز و متمول خاندان پنڈت لالہ رام کاسی کی مہ وش بیٹی کے رشتہ کیلئے مارے مارے پھرتے تھے لیکن ابھی تک کسی کی شنوائی نہ ہوئی تھی۔

بنارس کا کوتوال ابراہیم خان اچھے کردار کا انسان نہیں تھا۔ ایک روز اس نے شکنتلا کو دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا شیطان نے اس کے دل میں طوفان برپا کر دیئے۔ اس نے اپنے جاسوسوں کو حسین و جمیل دوشیزہ کا کھوج لگانے کا حکم دیا۔ جب اسے پتہ چل گیا کہ وہ پنڈت لالہ رام کاسی کے چمن کا مہکتا ہوا پھول ہے تو اس نے جبر و استبداد سے اس کو نوچ لینا چاہا۔ پنڈت لالہ رام کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے اندر اپنی بیٹی کی ڈولی کوتوال کے محل کے دروازہ پر پہنچ جانی چاہیے۔ یہ پیغام پا کر پنڈت لالہ رام کی تو جان ہی نکل گئی۔ پہلے تو اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو اس حادثہ کی خبر نہ دی لیکن آخر کب تک پردہ پوشی ممکن تھی! اسے بتانا ہی پڑا۔ ماتا کی ماری ماں سن کر بیہوش ہوگئی۔ شکنتلا نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے۔ اس نے دو روز بعد اپنے باپ سے اجازت لی اور گھر سے روانہ ہوگئی۔ اس نے مغل شہزادوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ دہلی جا پہنچی۔ اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند اسے دیکھتے ہی پہچان گیا کہ مردانہ لباس میں دوشیزہ ہے۔ اسے یہ سمجھنے میں بھی دیر نہ لگی کہ انتہائی مجبوری کے عالم میں اس نے بھیس بدلا ہے۔ اس نے اس دوشیزہ کو دربار خاص میں طلب کیا اور اسے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

اورنگ زیب: ''بیٹی! یہ پگڑی اتار کر میرا دوشالہ سر پر لو اور بے خوف و خطر مجھے بتا دو کہ کس افتاد نے تمہیں بھیس بدلنے پر مجبور کر دیا۔ شکنتلا بادشاہ کی بصیرت' محبت اور برتاؤ سے نہال ہوگئی اور تمام حالات بادشاہ کو سنا دیئے۔ اس نے بادشاہ کو مقررہ تاریخ سے بھی آگاہ کر دیا۔ سب کچھ سن کر بادشاہ نے فرمایا:

اورنگ زیب: ''بیٹی! اب تم جاؤ اور کوتوال کی ہدایات پر عمل کرو۔''

شکنتلا روانہ ہوگئی لیکن تذبذب کا شکار تھی۔ بادشاہ کی شفقت اور بیٹی کہہ کر مخاطب کرنے سے اس کی ڈھارس بندھ جاتی تھی لیکن بادشاہ کے اس فرمان سے کہ ''جاؤ کوتوال کی ہدایات پر عمل کرو'' پریشان ہوگئی۔ گھر پہنچ کر اس نے تمام روئیداد والدین کو سنا دی ان کی پریشانی میں بھی کوئی کمی نہ آئی۔ روتے دھوتے مقررہ تاریخ کو بچی کو ڈولی میں بٹھا کر کوتوال کے محل کے دروازے پر لے گئے۔

کوتوال حرص و ہوس کا مارا خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ ڈولی پر بے دریغ سکے نچھاور کرنے لگا۔ کئی بھکاری سکے چننے میں مصروف تھے۔ ایک بھکاری نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ آگے بڑھا اور کوتوال سے خیرات طلب کرنے لگا۔ کوتوال نے غصے اور نخوت سے کہا۔ کیا تم نابینا ہو؟ تمہیں سکے نظر نہیں آتے جن پر دوسرے بھکاری ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اسی بات چیت میں وہ بھکاری کوتوال کے زیادہ قریب ہوگیا اور اپنی چادر اتار پھینکی۔ اب کوتوال کے سامنے اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند شمشیر بکف کھڑا تھا۔ کوتوال کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اب اس کے منہ سے بار بار ایک ہی لفظ نکل رہا تھا۔ عالم پناہ! عالم پناہ! تاج دار دہلی کی شمشیر لہرائی اور ابراہیم کا سرتن سے جدا ہوکر بادشاہ کے قدموں پر آن گرا۔ اورنگ زیب کہہ رہا تھا۔ ''ابراہیم خان! تمہاری شکائیت مجھے ملی مگر میں نے سمجھا کہ لوگ تمہارے ساتھ حسد کرتے ہونگے۔ اس بچی نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے میری رعایا کو تمہارے شر سے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا۔''

بادشاہ کے حکم سے ڈولی واپس پنڈت لالہ رام کاسی کے گھر لوٹا دی گئی۔ اورنگ زیب پاپیادہ پیچھے چلا۔ بنارس کے لوگ یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ بادشاہ نے پنڈت کی اجازت سے گھر میں داخل ہوکر آواز دی۔

''شکنتلا بیٹی! مجھے پانی پلاؤ اور کھانے کیلئے بھی کچھ لے آؤ۔ جب سے میں نے تمہاری فریاد سنی میں نے کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تمہیں

انصاف فراہم نہ کردوں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا۔ رب کائنات کا شکر ہے جس نے مجھے قسم پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائی۔

کھانا کھانے کے بعد بادشاہ نے نماز ادا کرنے کیلئے باہر جانا چاہا تو شکنتلا نے بادشاہ کو گھر کے باغیچہ میں نماز ادا کرنے کی استدعا کی جس کی تائید اس کے والد پنڈت لالہ رام نے بھی کردی۔ جب اورنگ زیب نماز ادا کرچکا تو شکنتلا نے اعلان کر دیا کہ اس جگہ اب نماز ہی ادا کی جایا کرے گی۔ اس جگہ کو مسجد کی تعمیر کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک موجود ہے۔

آٹھواں باب
عفوو درگزر

1- عثمان! یہ لو چابی

اللہ کا گھر............ بیت اللہ............کعبۃ اللہ اپنی عظمتوں، رفعتوں اور صداقتوں کے ساتھ وحدانیت کا نور پھیلا رہا ہے..................

اس مقدس گھر کے سامنے وہ مقدس ذات موجود ہے جو توحید کا بھولا ہوا سبق ابنائے آدم کو یاد دلانے کیلئے عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرما ہوئی ہے۔

سامنے سے عثمان بن طلحہ چلا آ رہا ہے جس کے پاس اس مقدس ترین گھر کے تالے کی چابی ہے۔ اسے دیکھ کر جان کائنات عالم محسن انسانیت، وجہ تخلیق کائنات اللہ کے پاس رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں ایک خیال انگڑائیاں لینے لگتا ہے کہ............آج اس گھر کے اندر اس گھر والے کی عبودیت کا اقرار و اظہار کیا جائے۔ چنانچہ عثمان بن طلحہ کو ارشاد ہوتا ہے:

"عثمان! میرے لئے بیت اللہ کا دروازہ کھول دو تا کہ میں اندر جا کر عبادت کروں۔"

وہ روز بیت اللہ کا دروازہ کھولنے کا دن تھا۔ زائرین کیلئے سوموار اور جمعرات کے روز دروازہ کھولا جاتا تھا۔ اسکے باوجود عثمان نے بدخلقی کا مظاہرہ کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کمال بردباری سے عثمان بن طلحہ کی بدکلامی کو برداشت کیا اور بڑی متانت سے صرف یہ کہا:

"اے عثمان! یاد رکھو۔ ایک روز آئے گا جب یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کر دوں گا۔"

عثمان بن طلحہ کہنے لگا کیا اس روز قریش کی عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی کہ چابی آپ کے پاس آ جائے۔

حضورؐ نے فرمایا: اے عثمان! جس روز چابی میرے پاس ہوگی وہ قریش کے ذلت و خواری کا نہیں بلکہ عزت و وقار کا دن ہوگا۔"

منظر بدلتا ہے..................

مکہ فتح ہو چکا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبۃ اللہ کی چابی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مقدس پر رکھ کر عرض کرتے ہیں:

"یارسول اللہ! حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی ہمارے لئے جمع فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہتے ہیں۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد عثمان بن طلحہ کو طلب فرماتے ہیں۔

عثمان حاضر ہوتے ہیں.......... آنکھیں جھکی ہوئی۔ نو دس سال پہلے کا منظر نگاہوں میں پھر جاتا ہے اپنی بدخلقی کا مظاہرہ یاد کر کے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔

دل میں وساوس سر اٹھانا شروع کر دیتے ہیں کہ آج خیر نہیں۔ اچانک شہد سے شریں الفاظ عثمان کی سماعتوں سے ٹکراتے ہیں۔

"عثمان! یہ لو کنجی۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے اسے ہمیشہ کیلئے لے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔"

یہ کیسے آنسو ہیں؟

"مسرت کے یا ندامت کے!"

عفوودرگذر کی ایسی مثال کون پیش کرسکتا ہے!

عثمان بن طلحہ کو دوسرے قریش سرداروں کی طرح جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

اور ہوا یہ کہ..................

نہ صرف جان و آبرو بچ گئی بلکہ ایسی عظمت و سربلندی نصیب ہوئی جس کا وہ تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔

2- آج تمہارے لئے کوئی گرفت نہیں

حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے' حضرت اسحٰق کے پوتے اور حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے۔ ابھی آپ کی عمر 9'10 سال تھی کہ سوتیلے بھائیوں نے پہلے ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور جب ایک قافلہ والوں نے کنوئیں سے نکال لیا اور بھائیوں کو اس حقیقت کا علم ہوگیا تو یوسفؑ کو اپنا مفرور غلام ظاہر کر کے قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وجہ مخاصمت یہ تھی کہ ان کی پیشانی میں نور نبوت چمکتا تھا۔ حضرت یعقوبؑ جو خود بھی نبی تھے پہچان گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبوت سے سرفراز فرمائے گا اس لئے ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ بھائی اس وجہ سے حسد کرتے تھے سوائے بن یمین۔ کے دس بھائیوں سے چھوٹے تھے اور بے مثال حسن و جمال کے مالک تھے اس وجہ سے بھی حضرت یعقوبؑ ان سے زیادہ پیار کرتے تھے۔

قافلہ والوں نے مصر لے جا کر منڈی میں نیلام کر دیا۔ عزیز مصر نے خرید لیا۔ جوان ہوئے تو عزیزِ مصر کی بیوی آپؑ پر فریفتہ ہوگئی۔ جب آپؑ نے اس کے مکروہ عزائم پر پورا اترنے سے انکار کر دیا تو اس نے قید خانہ میں بھجوا دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ خواب کی تعبیر دیا کرتے تھے۔ بادشاہ کے خواب کی تعبیر دی تو وہ بہت خوش ہوا۔ قید و بند سے آزاد کر دیا اور اپنا وزیر بنالیا۔ شاہ مصر نے آہستہ آہستہ تمام اختیارات ان کو سونپ دیئے اور خود گوشہ نشین ہوگیا۔ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے سخت قحط پڑ گیا۔ حضرت یوسفؑ نے پیش بندی کر لی تھی اور گندم کے بے شمار گودام بھر لئے تھے۔ فلسطین جہاں حضرت یوسفؑ اور ان کے بیٹے رہائش پذیر تھے وہاں بھی قحط پڑا لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی گندم لینے کیلئے مصر آئے۔ آپ نے ان کو پہچان لیا لیکن وہ نہ پہچان سکے۔ جانے لگے تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا جس گیارہویں بھائی کے نام کی گندم وصول کر چکے ہو آئندہ اسے ساتھ لانا ورنہ گندم نہیں ملے گی۔ یہ حضرت

یوسف کے حقیقی بھائی بنیامین تھے۔ اگلی مرتبہ جب بھائی گندم لینے آئے تو یوسف نے کسی حیلے سے بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا لیکن بھائیوں پر ابھی تک اپنا یوسف ہونا ظاہر نہ ہونے دیا۔ تیسری مرتبہ بھائی گندم لینے کیلئے آئے تو یوسف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو چکی تھی کہ بھائیوں پر اپنا یوسف ہونا ظاہر کر دیں چنانچہ بھائیوں کے ساتھ یہ مکالمہ ہوا۔

بھائی: "اے عزیز مصر! ہم پر اور ہمارے اہل پر مصیبت آن پڑی ہے اور ہم معاوضہ کے طور پر بھی ایک معمولی چیز لا سکتے ہیں۔ آپ ہمیں پورا غلہ دیجئے۔ ہم پر خیرات کیجئے۔ بیشک اللہ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔"

یوسف: "کیا یاد ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ عالم نادانی میں کیا سلوک کیا؟"

بھائی بولے: "کیا آپ ہی تو یوسف نہیں ہیں؟"

یوسف: "ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بیشک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بلاشبہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے۔ اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔"

بھائی بولے: "خدا کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم خطاکار تھے۔"

یوسف: "آج تمہارے لئے کوئی گرفت نہیں۔ تمہیں اللہ معاف کرے وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔"

دیکھئے! غور کیجئے! موازنہ کیجئے!

بھائیوں نے یوسف کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا!

پیارے والدین سے عین عالم طفلی میں جدا کر دیا۔

قتل کی سازش کی اور کنوئیں میں ڈال دیا۔

منہ پر طمانچے مارے اور پتھر مار مار کر کنوئیں کی منڈیر پر چھڑوائی۔

چند سکوں کے عوض فروخت کر دیا۔

یوسف کو جب بھائیوں پر کلی اختیار حاصل ہوگیا۔ وہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہتے کر سکتے تھے۔ یوسف نے کیا سلوک کیا:

بھائیوں کو معاف کر دیا

ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مغفرت کی

ان کو فلسطین سے لا کر عزت و وقار کے ساتھ مصر میں آباد کیا

سبحان اللہ! یہ عفو و درگذر کی کیا عمدہ مثال ہے!

3- میں نے تمہیں معاف کیا اور آزاد کیا

ایک روز نواسۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امام حسن کے گھر کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ دستر خوان بچھا دیا گیا۔ لونڈی دستر خوان پر کھانا چن رہی تھی۔ اچانک سالن کا ایک بڑا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور حضرت امام حسن کے اوپر جا پڑا۔ سارا لباس شوربے سے لت پت ہوگیا۔ امام عالی مقام نے جب نظر اٹھا کر لونڈی کی طرف دیکھا تو وہ ڈر گئی لیکن وہ بھی تو آخر نبوت کے گھرانے کی لونڈی تھی اس نے فوراً کہا:

لونڈی: مومنین کی شان ہے کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں

حضرت امام حسن: ”میں نے غصہ کو پی لیا!“

لونڈی: ”وہ (مومنین) لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے ہیں“

حضرت امام حسن: ”میں نے تمہاری خطا معاف کر دی۔“

لونڈی: ”اللہ! احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔“

حضرت امام حسن: ”میں نے تم پر احسان کیا اور آزاد کر دیا جاؤ تم آزاد ہو۔“

4- اب تمہیں میری تلوار سے کون بچائے گا؟

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ کے موقع پر ایک درخت کے نیچے

آرام فرما رہے تھے اور آپ کی تلوار سامنے پڑی تھی کہ غورث نامی ایک دشمن دین موقع پا کر وہاں پہنچ گیا اور اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ غورث تلوار لہرا کر کہنے لگا:

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! بتاؤ اب تمہیں میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علی وسلم نے دشمن کو نظر بھر کر دیکھا اور بغیر کسی گھبراہٹ اور تردد کے فرمایا:

''میرا اللہ!''

یہ سننا تھا کہ کافر پر لرزہ طاری ہو گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھ کر وہی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور فرمایا:

''اب تمہیں میری تلوار سے کون بچائے گا؟''

وہ شخص تھر تھر کانپنے لگا۔ منہ سے بات نکلنا دشوار ہو گیا۔ خوف کے مارے حالت غیر ہو گئی۔ کہنے لگا:

''مجھے بچانے والا یہاں کوئی نہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے''۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاؤ! میں نے تمہیں معاف کیا!''

5-ابن دینار اور یہودی

ایک یہودی حضرت ابن دینار کا پڑوسی تھا۔ وہ اکثر آپ کو اذیت پہنچانے کی سوچا کرتا تھا۔ اس نے اپنی چھت کا پرنالہ بغض و عناد کی وجہ سے اس طرح لگایا کہ ساری غلاظت آپ کے بالکل سامنے گرتی تھی اور اکثر اوقات آپ کے کپڑے خراب ہو جایا کرتے تھے۔ بہت مدت تک یہ عمل جاری رہا لیکن حضرت ابن دینار نے کبھی اس یہودی سے اس زیادتی پر شکوہ نہ کیا۔ یہودی دیکھتا تھا کہ حضرت ابن دینار کو بار بار جگہ صاف کرنا پڑتی تھی۔ یہودی انتظار کرتا رہا کہ حضرت اس سے شکائیت کریں لیکن آپ نے کبھی شکائیت نہ کی۔

ایک روز یہودی خود ان کے پاس چلا آیا اور پوچھنے لگا:

یہودی: ''میرے پرنالے کی وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی؟''

حضرت ابن دینار: ''نہیں! مجھے کوئی شکائیت نہیں۔''

یہودی (حیران ہو کر) ''لیکن گندگی تو آپ کے سامنے گرتی ہے۔''

حضرت ابن دینار: ''کوئی بات نہیں جب غلاظت گرتی ہے میں جھاڑو سے صاف کر دیا کرتا ہوں۔''

یہودی: ''اس کے باوجود آپ کو کوئی شکائیت نہیں؟''

حضرت ابن دینار: ''ہاں! واقعی مجھے کوئی شکائیت نہیں۔''

یہودی: ''اتنی تکلیف کے باوجود آپ کو غصہ بھی نہیں آتا؟''

حضرت ابن دینار: ''ہرگز نہیں! کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ غصہ پر قانو پانے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔''

یہ سن کر یہودی سچے دل سے ایمان لے آیا اور اسلام قبول کرلیا۔

نواں باب

عجز وانکسار

1- یہ گٹھا اٹھالو

حضرت سلمان فارسیؓ کے نام نامی اور اسم گرامی سے کون واقف نہیں!

ایران کے رہنے والے تھے۔ آگ کی پرستش کیا کرتے تھے۔

سکون قلب میسر نہ تھا۔

گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ کئی مذہب اختیار کئے۔ اطمینان قلب...... گوہر مقصود حاصل نہ ہوسکا۔

غیبی اشارات پر چلتے رہے اور کھجوروں کی سرزمین پر پہنچ گئے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ دامن اسلام کیا تھامہ دل کو قرار آ گیا۔ سکون قلب کی دولت حاصل ہوگئی۔ سالہا سال کی مسافرت کے بعد منزل مل گئی۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظروں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ان کے مشوروں پر خصوصی توجہ دی جاتی تھے۔ غزوہ احزاب کو غزوہ خندق کا نام آپ کی وجہ سے ملا۔ آپؓ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور جس کی وجہ سے مدینہ منورہ کا بھرپور دفاع ممکن ہوسکا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں زندہ تھے۔ انہوں نے آپ کو مدائن میں گورنر مقرر کیا۔

آپ بہت سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ معمولی لباس پہنتے تھے۔ لوگوں کیساتھ گھل مل کر رہا کرتے تھے۔ جو شخص متعارف نہ ہوتا ہرگز تصور نہ کرسکتا کہ آپ ہی گورنر ہیں۔ نہ محل تھا نہ خدام۔ لوگوں کا جب جی چاہتا مل لیا کرتے تھے۔ نماز کی ادائیگی کیلئے پیدل مسجد میں جایا کرتے تھے اپنی ضروریات کا سامان خود ہی جا کر بازار سے خرید لیا کرتے تھے۔

ایک روز بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگا میرا یہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر گھر تک لے چلو۔ آپ فوراً آمادہ ہو گئے اور گٹھا سر پر اٹھا لیا۔ وہ شخص آگے آگے چلا جا رہا تھا اور آپ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جو شخص بھی یہ منظر دیکھتا انگشت بدنداں رہ جاتا۔ آخر ایک شخص نے دوڑ کر گٹھے کے مالک کو بازو سے پکڑا اور کہنے لگا:

اے جاہل! تو نے یہ کیا ظلم کیا!

"کیا تو نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں؟"

یہ حضرت سلمان فارسی صحابی رسول ہیں اور پھر یہ کہ:

مدائن کے گورنر بھی ہیں۔

یہ سننا تھا کہ گٹھے کا مالک لرزہ براندام ہو گیا..................

خوف، شرم اور حیا نے اس کی گویائی سلب کر لی۔

ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور گٹھا پھینک دینے کی استدعا کرنے لگا۔

حضرت سلمان فارسی نے اس کی شرمندگی کو محسوس کر کے فرمایا:

ڈرو مت! میں یہ گٹھا تمہارے گھر پہنچا دوں گا کیونکہ میں اس بات کا تم سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ اس کی خلاف ورزی ممکن نہیں۔ ساتھ ہی تمہیں یقین بھی دلاتا ہوں کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں ذرا سا بھی میل نہیں۔

تاریخ مغرب کا دامن ایسے انمول جواہرات سے تہی نظر آتا ہے.................البتہ تاریخ اسلام ایسے روح پرور حالات و واقعات سے خالی نہیں..................

سادگی کی یہ معراج!

عجز کا ایسا اظہار!

انکسار کا یہ ڈھب!

ایک مومن کو ہی زیبا ہے............

2-اور سنئے! سر پر کوڑا

حضرت معروف کرخی ایک بلند پایہ بزرگ گذرے ہیں۔عید کا دن تھا۔لوگ نہا دھو کر خوبصورت لباس پہن کر نماز عید کیلئے عید گاہ کی طرف رواں دواں ہیں.................

حضرت معروف کرخی بھی ان لوگوں میں شامل ہیں۔انہوں نے بھی خوشنما لباس پہن رکھا ہے۔ جو زیادہ قیمتی تو نہیں لیکن صاف ستھرا ہے۔ جب ایک گلی میں سے گزرتے ہیں تو اچانک ایک چھت سے کوڑا کرکٹ کی ایک کثیر مقدار انکے سر پر پڑتی ہے۔کسی نے ٹوکری الٹ دی ہے جو پوری کی پوری عین ان کے سر پر گری ہے۔سر' جسم اور لباس خاک دھول سے اٹ گیا ہے۔ نہ اوپر دیکھتے ہیں' نہ بدزبانی کرتے ہیں اور نہ غصہ سے آپے سے باہر ہوتے ہیں بلکہ خاموشی سے واپس لوٹ آتے ہیں۔اپنے جسم پر نظر ڈالتے ہیں تو کہتے ہیں۔

''اے معروف اس تھوڑی سے خاک دھول سے پریشان نہ ہو یہ تو کچھ بھی نہیں۔تو تو آگ میں ڈالے جانے کے قابل ہے''۔

واپس گھر پہنچ کر دوبارہ غسل کرتے ہیں۔ دوسرا لباس پہنتے ہیں اور اللہ کا شکر اور حمد و تسبیح بیان کرتے ہوئے دوبارہ عید گاہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

یہ تھا خلق قرآن!

یہ تھا اسوۂ محمدیؐ!

یہ تھا تہذیب کا عروج!

اللہ! اللہ! عجز و انکسار کا یہ عالم!

3-مجھے گدھے پر سوار کرلو

امیر المومنین عمرؓ ابن خطاب ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں معمول کا دورہ

فرما رہے تھے۔ سواری موجود نہ تھی۔ سخت تھک گئے۔ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک غلام گدھے پر سوار آ رہا ہے۔ جب گدھا ان کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا:

امیر المؤمنین: ''کیا تم مجھے اپنے گدھے پر سوار کرنے کیلئے تیار ہو؟''

غلام: ''امیر المؤمنین! اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ آیئے تشریف لایئے اور سوار ہو جایئے (غلام چھلانگ لگا کر گدھے سے کود جاتا ہے)

امیر المؤمنین: ''ارے تم کیوں اتر گئے ہو؟''

غلام: ''امیر المؤمنین آپ جو سوار ہونگے!''

امیر المؤمنین: ''میں نے کب کہا کہ تم اتر جاؤ؟''

غلام: ''آقا! پھر آپ کیسے سوار ہونگے؟''

امیر المؤمنین: ''میں تمہاری پشت کے پیچھے گدھے پر سوار ہو جاؤں گا۔''

غلام کو یہ گوارہ نہ تھا کہ امیر المؤمنین اس کی پشت کے پیچھے بیٹھیں اور امیر المؤمنین کو یہ گوارہ نہ تھا کہ غلام کو اس کی سواری سے محروم کر کے پیدل چلنے پر مجبور کر دیں۔ آخر کچھ بحث و تکرار کے بعد غلام کو امیر المؤمنین کی بات ماننا پڑی۔ وہ گدھے پر سوار ہو گیا اور اس کی پشت پر حضرت فاروق سوار ہو گئے اسی طرح وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گذرتے چلے جاتے تھے اور لوگ امیر المؤمنین کی سادگی اور عجز دیکھ کر حیران بھی ہو رہے تھے اور خوش بھی

4- میرے دوست کو ندامت نہ ہو

ناصر الدین محمود سلطان ہند اپنے ذاتی مصارف کیلئے شاہی خزانہ سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ وہ کتابت کر کے اپنی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ ایک روز کتابت کر رہے تھے کہ دو درباری پاس بیٹھے تھے۔ ایک درباری نے ایک لفظ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لفظ درست نہیں شہنشاہ نے اس لفظ کے گرد دائرہ لگا دیا۔ جب وہ درباری اٹھ کر چلا گیا تو بادشاہ نے وہ دائرہ صاف کر دیا۔ جو درباری موجود تھا وہ حیران ہوا اور پوچھنے لگا:

درباری: ''عالم پناہ! آپ نے دائرہ صاف کیوں کر دیا؟''

شہنشاہ: ''میں نے دائرہ اس لئے صاف کر دیا کہ یہ لفظ غلط نہیں درست ہے۔''

درباری: (حیران ہوتے ہوئے) جہاں پناہ! اگر لفظ درست تھا تو دائرہ لگایا کیوں تھا؟

شہنشاہ: ''میں نے دائرہ اس لئے لگا دیا تھا کہ غلطی کی نشاندہی کرنے والا دوست خجالت محسوس نہ کرے۔''

عجز و انکسار کی حد ہے۔ اپنے علم و آگاہی پر حرف آنے دیا لیکن اپنے درباری کی دلشکنی گوارہ نہ کی۔

5- غلام و آقا ایک دستر خوان پر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین اور فاتح روم و فارس ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر ذرہ بھر احساس برتری نہ رکھتے تھے۔ آپکے دل میں اسلامی مساوات کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ طبیعت میں سادگی اور عجز و انکسار کا احساس بدرجہ اتم موجود تھا۔

ایک مرتبہ سفیان بن امیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کھانے کا ایک بڑا طبق بھیجا جس میں طرح طرح کے لذیذ کھانے موجود تھے۔ آپ کی طبیعت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ خود تو پیٹ بھر کر انواع و اقسام کے کھانے کھائیں اور غلام بھوکے رہیں آپ نے تمام غلاموں اور فقیروں کو طلب کیا اور اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا۔ بلا تکلف ان کے ساتھ کھانا کھایا اور فرمایا:

''جو لوگ اپنے غلاموں کے ساتھ ایک طبق میں کھانا
اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں وہ بلاشبہ خدا کی لعنت
میں گرفتار ہیں''

یاد رہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جابر اور سخت گیر تھے۔ وہ نسلی تفاخر میں مبتلا تھے اور غلاموں کیساتھ ظالمانہ سلوک روا رکھتے تھے۔ اسلام

نے ان کی طبیعت میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔

6-روٹی کے خشک ٹکڑے

ایک اعرابی کا اونٹ مر گیا۔ اس کی گذر بسر اسی اونٹ پر تھی۔ وہ اسے بار برداری کیلئے استعمال کر کے اپنی روزی کمایا کرتا تھا اور اب بے روزگار ہو گیا تھا۔ اس کے خیال میں آیا کہ مدینہ منورہ جا کر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیت المال سے امداد طلب کرے۔ وہ منزلیں مارتا ہوا مدینہ جا پہنچا اور حضرت علیؓ کے گھر پر جا کر دستک دی۔

حضرت امام حسینؓ نے اس کا استقبال کیا۔

اعرابی: ''السلام علیکم''

حضرت امام: ''وعلیکم السلام''!

اعرابی: ''میں ایک سوالی ہوں!''

حضرت امام: ''میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

اعرابی: ''مجھے امیر المؤمنین سے ملنا ہے۔ آپ شائد ان کے بیٹے ہیں۔''

حضرت امام: ''آپ نے درست کہا میں حضرت امیر المؤمنین کا بیٹا حسین ہوں۔''

اعرابی: ''کیا امیر المؤمنین گھر پر نہیں ہیں؟ میں تو بہت دور سے آیا ہوں۔''

حضرت امام: ''حضرت امیر المؤمنین تو گھر پر نہیں ہیں۔ آپ اس حجرہ میں تشریف رکھیں۔ میں آپ کیلئے کھانا لے کر آتا ہوں۔''

حضرت امام حسین ان کیلئے بہت لذیذ کھانے لے کر آگئے۔ اسی دوران حضرت علیؓ بھی باہر سے تشریف لے آئے اور غلام نے ان کے سامنے پانی اور خشک روٹی لا کر رکھ دی اور انہوں نے اسے پانی میں بھگو کر کھانا شروع کر دیا۔ اعرابی نے جب کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نظر حضرت علی پر جا پڑی اور انہیں روٹی کے خشک ٹکڑے کھاتے ہوئے دیکھا۔ اعرابی کہنے لگا میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک وہ بزرگ میرے ساتھ کھانے

میں شریک نہ ہوں۔ جب اعرابی نے ضد کی تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتانا پڑا کہ وہ بزرگ ہی میرے والد محترم امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ اپنے معمول کے خلاف اس پر تکلف کھانا میں شریک نہیں ہوتے۔

اعرابی یہ سادگی اور عجز و انکسار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ امیر المؤمنین کو جب اعرابی کی آمد کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے اسے ایک قیمتی اونٹ خرید کر دے دیا۔

دسواں باب

فقر وقناعت

1- حضورؐ کے جسم مبارک پر نشان

ہمارے آقا' محسن انسانیت' سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقر وقناعت کے شہنشاہ تھے۔ اگر آپ چاہتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کیلئے عرب کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتے لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں چاہا۔ کاشانۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو لگاتار چولہا گرم ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے۔

تاج دار عرب وعجم کے گھر میں پلنگ تو کیا سونے کیلئے چارپائی تک نہ تھی۔ حضورؐ چٹائی پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضورؐ سو کر بیدار ہوئے ہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ جانثار خادم نے جب اپنے آقا کے جسم پر کھردری چٹائی کے نشان دیکھے تو ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ وہ رونے لگے۔ حضورؐ نے پوچھا:

حضورؐ: ''عمر! روتے کیوں ہو؟''

حضرت عمرؓ: ''آقاؐ! آپ کے جسم پر چٹائی کے نشاں دیکھ کر رونا آ گیا۔''

حضورؐ: ''یہ تو رونے کی کوئی بات نہ ہوئی!''

حضرت عمرؓ: ''میرے آقا! قیصر وکسریٰ تو عیش ومسرت میں زندگی بسر کریں اور حضورؐ اس قدر تکلیف اٹھائیں۔''

حضورؐ: عمرؓ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ وہ لوگ تو دنیا لے جائیں اور ہم آخرت؟''

حضرت عمرؓ نے سن کر سر جھکا دیا۔

کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت فرمایا کہ گھر میں شہنشاہ عرب وعجم کا بستر کیا تھا تو آپ نے فرمایا ایک چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ام المؤمنین ہونے کا

شرف نصیب ہوا تھا۔ جب ان سے حضورؐ کے بستر کے بارے میں استفسار کیا گیا تو فرمایا ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضورؐ کے نیچے بچھا دیا کرتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ اگر اس ٹاٹ کو چوہرا کر دیا جائے تو زیادہ آرام دہ ہو جائے گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ صبح ہوئی تو حضورؐ نے دریافت فرمایا آج تم نے میرے لئے کیسا بستر بچھایا تھا؟

میں نے عرض کی یارسول اللہ! بستر تو وہی تھا بس ٹاٹ کو چوہرا کر دیا گیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا:

''آئندہ اسے دوہرا ہی بچھایا کرو۔ بستر کی نرمی اٹھنے میں مانع ہو جاتی ہے۔''

2- پیٹ پر دو پتھر

غزوہ احزاب کے ایام ایمان والوں کیلئے بڑے کٹھن تھے۔ سنگلاخ زمین میں ایک گہری خندق کھودنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ ایک روز ایک صحابیؓ حاضر خدمت ہوئے اور اپنی بھوک کی شکائیت کرتے ہوئے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھایا۔ یہ دیکھ کر شہنشاہ عرب وعجم نے جب اپنے پیٹ سے کرتہ ہٹایا تو وہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

3- ''فاطمہ غلام تو نہیں ہے''

فاطمہ طیبہ طاہرہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیاری اور لاڈلی بیٹی تھیں۔ چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں چھالے بن جایا کرتے تھے اور مشکیزہ نے گلے اور کندھوں کے درمیان نشان ڈال دیئے تھے۔ علیؓ شیر خدا کی زوجہ تھیں۔ ایک دن انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ کو بھیجا کہ بیت المال میں کچھ غلام آئے ہیں تم بھی جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک غلام مانگ لو۔ حضرت فاطمہ ایک دفعہ تشریف لے گئیں۔ لیکن لوگوں کا مجمع دیکھ کر بغیر سوال کئے واپس چلی آئیں۔ دوسری مرتبہ جانے کو جی

نہ چاہا۔ اللہ کے رسول خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گذشتہ روز آنے کا سبب پوچھا۔ وہ تو خاموش رہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدعا بیان کیا اور فاطمہ خاتون جنت کی مشقت بھری زندگی کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی طرف سے ایک غلام کا مطالبہ پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فاطمہ اللہ سے ڈرتی رہو اور اس کے فرائض ادا کرتی رہو اور گھر کے کاروبار کرتی رہو اور جب سونے کیلئے لیٹو تو 33 مرتبہ سبحان اللہ' 33 مرتبہ الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ غلام سے بہتر ہے۔''

حضرت فاطمہ نے سن کر فرمایا:

''میں اللہ کی تقدیر اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجویز پر راضی ہوں۔''

4- ''تینوں فاقہ سے''

ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ دھوپ بہت شدید تھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے پریشان ہو کر نکلے اور مسجد نبوی کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے ہی تھے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آتے دیکھا۔ دونوں نے باہم گفتگو کی تو پتہ چلا کہ بھوک سے تنگ آ کر گھر سے نکلے ہیں۔ دونوں دوست محو گفتگو تھے کہ تاجدار مدینہ تشریف لے آئے۔ پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ تینوں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جا پہنچے۔ انہوں نے اپنی مومنانہ فراست سے اندازہ لگا لیا کہ تینوں حضرات بھوک سے نڈھال ہیں۔ دوڑے گئے اور باغ سے کھجوروں کا ایک بڑا خوشہ توڑ لائے۔ وہ ان حضرات کی خدمت میں پیش کر کے خود بکری کو ذبح کرنے میں مصروف ہو گئے۔ بیوی نے گوشت بھون کر روٹیاں تیار کیں اور سب کچھ لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر گوشت رکھ کر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں یہ فرماتے ہوئے بھیج دیا کہ وہ بھی بھوکی ہیں۔

گیارہواں باب

خدمتِ خلق

خدمت خلق دین اسلام کا طرۂ امتیاز اور ہمارے بزرگوں کا طریقہ رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نظروں میں خدمت خلق کو کس قدر اہمیت حاصل تھی۔ آئندہ چند صفحات میں خدمت خلق کے حوالہ سے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

1- حلف الفضول

مظلوموں کی داد رسی کیلئے قریش کے جوانوں نے ایک حلف اٹھایا تھا۔ نوجوانی کے عالم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں شمولیت اختیار فرمائی تھی۔ حلف الفضول کے حوالہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوجوانوں کی ایک تنظیم قائم کی تھی جس کا کام مظلوموں کی داد رسی اور خدمت خلق تھا۔

اس تنظیم کے ذریعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کے ایک رئیس سے ایک بدو کی لڑکی برآمد کر کے اس کی عصمت کو داغ دار ہونے سے بچا لیا تھا۔ کئی قبائلی سرداروں سے مظلوموں کو بڑی بڑی رقوم دلوائی تھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعثت سے قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بڑا پیشہ یہی خدمت خلق تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

بعثت کے بعد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدمت خلق کا سلسلہ جاری رکھا۔ دکھی انسانیت کیلئے سرور دین سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے انسان تو انسان حیوانات بھی آپ کے لطف و کرم سے محروم نہ رہے۔

2- اپاہج بڑھیا

سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا

کہ مدینہ منورہ میں ایک بیمار بڑھیا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر روز صبح جا کر اس کی ضروریات کو پورا کیا کروں گا۔ اگلے روز جب وہ اس بڑھیا کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ پانی بھرا رکھا ہے۔ برتن دھو دیئے گئے ہیں۔ گھر میں جھاڑو تک لگا ہوا ہے۔ وہ حیران ہوئے کہ اتنی جلدی یہ سارے کام کون کر کے چلا گیا۔ بڑھیا بھی کچھ نہ بتا سکی۔

فاروق اعظم اگلے روز اور سویرے جا پہنچے لیکن آج بھی سب کچھ کیا جا چکا تھا۔

تیسرے روز وہ اذان سے قبل بڑھیا کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بڑھیا کے دروازہ کے قریب پہنچے تو ایک آدمی کو بڑھیا کے گھر سے نکلتے دیکھا۔ وہ ایک کونے میں چھپ کر کھڑے ہوگئے۔ بڑھیا کے گھر میں کام کر کے جانے والا آدمی جب ان کے قریب سے گزرا تو انہوں نے غور سے دیکھا اور پہچان گئے۔

وہ امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیکی کے کاموں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر وہ سوچنے لگے کہ باوجود کوشش کے وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا صدیق اکبر زمانہ خلافت سے قبل ایک بڑھیا کی بکری کا دودھ نکال دیا کرتے تھے۔ جب آپ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے تو بیوہ کی معصوم بچی ماں سے کہنے لگی کہ ابوبکر صدیق تو اب خلیفہ بن گئے ہیں ہماری بکریوں کا دودھ اب کون نکالا کرے گا؟

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سن لی اور فرمایا:

''خلافت کا منصب مجھے خدمت خلق کے کاموں سے محروم نہیں کرے گا''

وہ دور خلافت میں بھی حسب سابق بیوہ کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

3- آٹے کی بوری خلیفہ کے کندھوں پر

امیر المؤمنین عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے قریب اکثر اکیلے مدینہ منورہ

کی گلیوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ لوگوں کی خبرگیری بھی کرتے تھے اور خدمت بھی۔ ایک روز ایک گلی میں سے گذر رہے تھے کہ ایک گھر میں سے بچوں کے بلکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ پتہ چلا گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے اور ماں بچوں کو بہلانے کیلئے آگ پر خالی ہنڈیا چڑھائے بیٹھی ہے۔ فوراً بیت المال کا دروازہ کھلوایا۔ آٹا گھی اور شکر لے کر روانہ ہونے لگے تو غلام نے عرض کی کہ یہ بوجھ بہت زیادہ ہے۔ میں اٹھا کر ساتھ چلتا ہوں۔ انکار کر دیا اور فرمایا:

قیامت کے روز ان کے بارے میں باز پرس کا جواب عمر کو دینا پڑے گا۔ وہاں کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہ ہوگا۔ سامان لے کر اس گھر میں پہنچ گئے۔ آگ بجھ چکی تھی اسے خود پھونکیں مار مار کر جلایا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ دھواں ان کی داڑھی میں سے ہو کر نکل رہا تھا۔ بچوں کیلئے کھانا تیار کروایا۔ انہیں کھلایا اور جب بچے پیٹ بھر کر سو گئے تو حضرت عمر واپس لوٹے۔

خلیفۃ المسلمین کی زوجہ بدو کی بیوی کی دایہ

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینہ منورہ کے گشت پر نکلے ہوئے تھے۔ ایک میدان میں ایک بالوں کا بنا ہوا خیمہ لگا ہوا دیکھا۔ خیمہ کے دروازہ پر ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا جبکہ خیمہ کے اندر سے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب تشریف لے گئے

حضرت عمرؓ: ''السلام علیکم!''

اجنبی: ''وعلیکم السلام!''

حضرت عمرؓ: ''بھائی! یہاں پہلے کبھی خیمہ نہیں دیکھا۔ کیا تم مسافر ہو؟''

اجنبی: ''اپنے کام سے کام رکھو! میں پہلے ہی پریشان ہوں۔''

حضرت عمرؓ: ''بھائی خفا کیوں ہوتے ہو؟ تم پریشان ہو تو میں مدد کرنے کیلئے تیار ہوں۔''

اجنبی: ''بیوی کا بچہ ہونے والا ہے۔''

حضرت عمرؓ: ''کیا اندر کوئی دوسری عورت موجود ہے؟''

اجنبی: ''نہیں! میں مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں۔ ضرورت مند تھا امیر المؤمنین سے کچھ امداد لینے کیلئے آیا تھا۔''

حضرت عمرؓ: ''اچھا! تم فکر نہ کرو میں کوئی بندوبست کرتا ہوں۔''

اجنبی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانتا نہ تھا۔ آپؓ نے بھی اپنا تعارف نہ کروایا اور سیدھے گھر تشریف لے گئے۔ تمام حالات اپنی زوجہ محترمہ ام کلثوم کو جا کر بتائے۔ وہ بھی تو آخر فاطمہ خاتون جنت کی لخت جگر تھیں فوراً تیار ہوگئیں۔ ضروری پارچات اور سامان خورد ونوش ہمراہ لے لیا۔ وہاں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بدو کے پاس خیمہ کے باہر بیٹھ گئے اور ان کی زوجہ محترمہ خیمہ کے اندر چلی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ جلا کر حریرہ تیار کیا۔ کچھ ہی دیر بعد اندر سے آواز آئی:

''امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد پیش کریں اللہ نے ان کو لڑکا دیا ہے۔''

بدو یہ سن کر کہ ان کے پاس بیٹھا ہوا شخص جو اس کی بیوی کیلئے حریرہ تیار کر رہا ہے امیر المؤمنین ہے گھبرا گیا۔ اس کی پریشانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بے اعتنائی برتی تھی۔ بدو معذرت طلب کرنے لگا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میرے دوست! یہ خوشی کا موقع ہے فکر کی ضرورت نہیں۔ تمہیں بیٹے کی ولادت کی مبارک ہو۔ تم کل میرے پاس آنا میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہارے بیٹے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔

5- سمرقند کی سیدزادی

سمرقند میں ایک بیوہ سیدزادی رہتی تھی۔ اس کے چند بچے تھے۔ حالات سے مجبور ہو

کر ایک رئیس آدمی کے پاس گئی اور مالی تعاون کی درخواست کی۔ اس نے پرواہ نہ کی۔ جب خاتون نے سید زادی ہونے کا دعویٰ کیا تو خود سر رئیس ثبوت طلب کرنے لگا۔ وہ کیا ثبوت پیش کرتی دل برداشتہ ہوکر واپس لوٹ آئی۔ یہ رئیس جس نے اس کو لوٹا دیا مسلمان تھا لیکن بس نام کا۔

اب سید زادی بچوں کو ساتھ لیکر ایک مجوسی کے دروازے پر جا پہنچی اور اپنی داستان الم بیان کی وہ سن کر کہنے لگا: خاتون اگرچہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن میں تیرے دعویٰ سیادت کو تسلیم کرتا ہوں اور ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کیلئے تیار ہوں۔

اس مجوسی رئیس نے سید زادی کو اپنے گھر میں ہی رکھ لیا۔ ان کے طعام و قیام کا تسلی بخش انتظام کر دیا۔ ان کیلئے اچھے لباس فراہم کر دیئے اور ہر طرح سے خدمت انجام دینے لگا۔

وہ بدنصیب مسلمان سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا خوبصورت اور عظیم الشان محل ہے اور اس کے پاس ہی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ کہنے لگا:

''یارسول اللہ! یہ محل کس کا ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کا ہے۔''

عرض کرنے لگا: ''آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ محل مجھے عطا ہو۔

میں بھی تو مسلمان ہوں۔''

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اپنے اسلام کی دلیل پیش کر''

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سن کر شرمندہ ہوگیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری دکھیاری بیٹی سے سیادت کی دلیل طلب کرے اور خود بغیر دلیل کے محل حاصل کر لے یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟''

یہ سن کر گھبراہٹ میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیوانہ وار اس خاتون کی تلاش میں نکل

کھڑا ہوا۔ آخر تلاش کرتے کرتے اس مجوسی کے گھر جا پہنچا اور کہنے لگا:

''میں سیدزادی کو لینے کیلئے آیا ہوں۔''

صاحب خانہ: ''میں اس معزز خاتون کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔''

رئیس: ''میں اس کیلئے ایک ہزار روپے دینے کو تیار ہوں۔''

صاحب خانہ: ''میں اس نورانی محل کو ایک ہزار روپے میں کس طرح فروخت کرسکتا ہوں''

رئیس: ''تم کس محل کی بات کررہے ہو؟''

صاحب خانہ: ''اس محل کو جسے تم رات دیکھ چکے ہو۔ رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بھی زیارت عطا فرمائی ہے۔ مجھے دین اسلام بھی عطا فرمایا ہے اور محل بھی۔ اب میں خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے مومن ہوں۔ میں اس سیدزادی کو کس طرح تمہارے حوالے کردوں جس کے ذریعے مجھے ایمان اور جنت دونوں ملے ہیں۔''

❀❀❀❀❀

بارھواں باب

تیرا رزق تیری تلاش میں ہے

1- شہد کی دو بوتلیں

راقم بحیثیت ضلعی ناظم تعلیمات خوشاب متعین تھا۔ جوہر آباد رہائش پذیر تھا۔ ایک نہایت عزیز شاگرد محمد فیروز ملک جو کہ اسی ضلع کے کسی سیکنڈری سکول میں بطور انگلش ٹیچر کام کر رہا تھا ملاقات کیلئے آیا۔ چادر میں اس نے کچھ لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے چاۓ سے تواضع کی۔ جب جانے کیلئے تیار ہوا تو چادر میں دو بوتلیں نکال کر میز پر رکھ دیں اور کہنے لگا:

سر! یہ خالص شہد ہے میں آپ کیلئے لایا ہوں۔"

میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اس سے پوچھا:

"اس کی قیمت کیا ہے؟"

کہنے لگا: "میں نے خود اتروایا ہے خریدا نہیں۔ اس لئے مجھے اس کی قیمت کا علم نہیں۔"

میں نے کہا: "عزیز فیروز! بات یہ ہے کہ میں یہ شہد قیمت ادا کئے بغیر لینا مناسب نہیں سمجھتا۔"

کہنے لگا: "سر! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں نے جب اس کی کوئی قیمت ادا نہیں کی تو آپ سے کیسے وصول کروں؟"

میں نے کہا: "دیکھو ملک! میں بات زیادہ واضح کر دیتا ہوں۔ میں چونکہ آپ کے ضلع میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ہوں۔ آپ کا اور میرا ایک رشتہ آفیسر ماتحت کا بھی ہے اس لئے شرعاً یہ شہد میرے لئے جائز نہیں ہے۔"

فیروز اچھا' خود دار اور باوقار نوجوان تھا۔ وہ پریشان ہوگیا اور کہنے لگا:

"سر! آپ یہ شہد رکھ لیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک آپ یہاں بطور ضلعی ناظم تعلیمات رہیں قطعاً کوئی کام جائز یا ناجائز آپ کو نہیں کہوں گا۔"

اس نوجوان کی کیفیت کا اندازہ کر کے ایک دفعہ تو میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ بوتلیں قبول کر لوں لیکن جلد ہی پہلی سوچ غالب آ گئی اور میں نے دوٹوک الفاظ میں انکار کر دیا۔ فیروز شہد لے کر چلا گیا۔

ملازمت میں تبادلے تو روزمرہ کا معمول ہے۔ میرا تبادلہ بطور پرنسپل ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ کالج سرگودھا میں ہو گیا۔ پوسٹ میری پسند کی تھی میں نے فوری طور پر وہاں چارج لے لیا۔ کالج کے ساتھ رہائش گاہ بھی تھی۔ دو یا تین دن گذرے ہونگے کہ ملک فیروز ملنے کیلئے آیا اور شہد کی وہی دو بوتلیں لے آیا۔ میز پر رکھ کر کہنے لگا:

"سر! اب تو آپ بلا واسطہ میرے آفیسر نہیں ہیں نا!..................

"سر! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ شہد آپ کو ہی دینا ہے۔"

اب تو میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ میں نے خوشی سے قبول کر لیا اور دل میں سوچنے لگا کہ:

"انسان کا رزق اسکے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

2- تین ترقیاں

راقم نے 65-1964 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایجوکیشن میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ مروجہ مالی قوانین کے مطابق اس ڈگری کیلئے علیحدہ ترقیات (انکریمنٹس) نہیں تھیں۔ ایم۔اے کی ترقیات پہلے لے چکا تھا۔ اس وقت نارمل سکول شاہ پور صدر میں بطور سکینڈری سکولز ٹیچر کام کر رہا تھا۔ بطور ہیڈ ماسٹر میرا انتخاب ہوا اور مجھے گورنمنٹ ہائی سکول کھیوڑہ میں بطور ہیڈ ماسٹر تعینات کیا گیا۔ بعد میں تنخواہوں پر نظر ثانی کی گئی تو ایم۔ایڈ کیلئے تین اضافی ترقیات کی منظوری بھی دے دی گئی اور یہ بھی رعائیت دی گئی کہ جس گریڈ میں بھی ایم۔ایڈ کیا ہو اس گریڈ میں تین ترقیاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مجھے اس نوٹیفکیشن کا پتہ کئی سال بعد اس وقت چلا جب میں دوبارہ تبدیل ہو کر شاہ پور صدر گیا۔ میرا تقرر وہاں بطور وائس پرنسل

ہوا تھا میں نے تین ترقیوں کیلئے اپنے پرنسپل کی وساطت سے کیس تیار کر کے ڈسٹرکٹ اکاؤنٹس آفس سرگودھا بھجوا دیا لیکن اعتراض عائد کر دیا گیا کہ اتنا عرصہ بعد درخواست کیوں دی؟

مجھے اپنے کلرک نے بتایا کہ اکاؤنٹس آفس والے "خدمت" کے بغیر یہ کام نہیں کریں گے۔ میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ مجھے جس گریڈ میں ترقیاں ملنا تھیں وہ بہت معمولی گریڈ تھا اور سالانہ ترقی 15 روپے تھی۔ تین ترقیوں کے حساب سے تنخواہ صرف 45 روپے اضافہ ہو رہا تھا اور بقایا جات بمشکل دو ہزار روپے بنتا تھا۔ میں نے رشوت نہ دی اور اس نقصان پر صبر کر لیا میرا ریکارڈ موجود ہے۔ دو سال بعد نئے سکیل متعارف ہوئے۔ ان میں سالانہ ترقی 100 روپے ماہوار تھی اور کسی بھی دور کی شارٹ فال ترقیاں اس گریڈ میں حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی اس طرح مجھے بجائے 15 روپے کے 100 روپے کی تین ترقیاں مل گئیں تنخواہ میں بجائے 45 روپے کے 300 روپے اضافہ ہو گیا اور بقایا جات کی مد میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔

ہمارا رزق تو ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ہم خواہ مخواہ اس کے پیچھے ذلیل و خوار ہوتے پھر رہے ہیں۔

3- روٹی کھالیں جی

گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز سرگودھا میں بطور پرنسپل فرائض انجام دے رہا تھا۔ چند دن کی تعطیلات گاؤں میں گذار دینے کا پروگرام بن گیا۔ روانہ ہوتے ہوتے 3 بج گئے۔ شاہ پور صدر کے قریب پہنچ کر محسوس ہوا کار میں کچھ نقص ہے۔ شاہ پور صدر میں مکینک تو کوئی ہے نہیں ایک لوہار ہے جو کمانیوں کی کچھ شدبد رکھتا ہے۔ اسکے پاس جا کر گاڑی کھڑی کی تو پتہ چلا پچھلا دایاں پہیہ بالکل جام ہے اور آگ کی طرح جل رہا ہے۔ پہیہ اتنا زیادہ گرم تھا کہ شائد چند منٹ بعد ٹائر ٹیوب آگ پکڑ جاتے۔ لوہار نے اپنی سمجھ بوجھ کے

مطابق کچھ اصلاح کی کوشش کی اور ہم آگے روانہ ہوگئے۔ کٹھ پہنچنے تک پہیہ پھر بھاری ہوگیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اس لئے سفر جاری رکھا۔ رفتار بہت کم تھی میوال پہنچتے پہنچتے خاصی رات ہوگئی۔ سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کر دی۔

گرمی بھی تھی اور بھوک بھی۔ وہاں کوئی دکان بھی نہ تھی کہ کچھ خرید کر بھوک مٹالی جاتی۔ ایک ہوٹل تھا جو بند ہو چکا تھا۔ اب شدید انتظار تھا کہ کوئی گاڑی وغیرہ آ نکلے۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک لڑکا آیا اور کہنے لگا چلیں جی! بابا جی کہہ رہے ہیں کھانا کھالیں۔ میں اس کے ساتھ گیا۔ قریب ہی ایک مشین تھی وہاں ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ جب بزرگ کو پتہ چلا کہ دو عورتیں اور ایک لڑکا پیچھے ہیں تو انہوں نے اپنے لڑکے کو بھیجا کہ ان کو ساتھ لے آئیں اور گاڑی بھی ساتھ دھکیل کر لے آئیں۔ انہوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور پہیہ کھول کر درست کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ٹریکٹر رکھا ہوا تھا اور کچھ سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ انہوں نے پیشکش کی ہم رات وہاں قیام کریں لیکن ہم اجازت لے کر روانہ ہوگئے۔

ہم خواہ مخواہ رزق کی تلاش میں سرگردان رہتے ہیں ہمارا رزق ہماری تلاش میں ہے۔

4- جواہرات کا صندوقچہ

ایران میں مسلمانوں کی پیش قدمی جاری تھی۔ شوستر کا قلعہ فتح ہو چکا تھا اور نہاوند میں جنگ جاری تھی۔ حضرت نعمان بن مقرن سالار فوج تھے۔ انہوں نے دعا مانگی تھی اور دو چیزیں طلب کی تھیں فتح اور شہادت۔ فتح کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ ان کی دوسری دعا اس طرح قبول ہوئی کہ گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور گر گیا۔ آپ بھی گر گئے۔ ایرانی بھاگتے ہوئے سخت تیراندازی کر رہے تھے۔ تیروں کی ایک بوچھاڑ آئی اور آپ کی شہادت کی دعا قبول ہوگئی۔ ان کے شہادت کے واقعہ سے مسلمانوں کے بازوؤں میں بجلیاں سما گئیں۔ وہ ایرانی افواج پر طوفان بن کر گرے اور ایرانی سپہ سالار فروزان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تھوڑی دیر میں میدان جنگ ایرانیوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ بیشمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔ پانچواں

حصہ نکال کر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ باقی ماندہ چار حصے مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ہر مجاہد کو چھ ہزار اشرفیاں ملیں۔

ابھی ان کے حصہ کا مزید رزق ان کی تلاش میں تھا۔

حضرت حذیفہ مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ان سے ملنے کیلئے نہاوند کے آتش کدہ کا بڑا پجاری حاضر ہوا۔ حضرت حذیفہ نے آمد کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا:

کاہن: ''سردار! امان کا طالب ہوں۔''

حضرت حذیفہ: ''تمہیں امان ہے۔''

کاہن: ''میں اپنے خاندان کیلئے بھی امان کا طالب ہوں۔''

حضرت حذیفہ: ''ان کو بھی امان دی جاتی ہے۔''

کاہن: ''ان عنایات خسروانہ پر میں آپ کا شکر گذار ہوں۔''

حضرت حذیفہ: ''مسلمان دوسروں کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔''

کاہن: ''میں آپ کی خدمت میں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

حضرت حذیفہ: ''اجازت ہے!''

کاہن: ''جو کچھ آپ نے مال غنیمت حاصل کیا ہے اس سے کہیں زیادہ گرانقدر ہے۔''

حضرت حذیفہ: ''ہاں! لائیے۔''

کاہن: ''(ایک صندوقچہ پیش کرتے ہوئے) یہ حاضر ہے سردار'' حضرت حذیفہ نے جب قفل کھولا تو فرط حیرت میں ڈوب گئے کیونکہ صندوقچہ بیش قیمت جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ صندوقچہ دوبارہ سربمہر کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا لیکن انہوں نے کمال شفقت سے یہ کہتے ہوئے اسے واپس بھیج دیا کہ اسے مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ جواہرات کو ایرانی تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ اور جو قیمت وصول ہوئی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ ہر مجاہد کو چار ہزار درہم ملا۔

کس طرح رزق تلاش کر کے صحابہؓ کے پاس پہنچا۔

5- گاگر میں دفینہ

میں جب ٹریننگ کالج میں زیر تربیت تھا تو ایک پروفیسر صاحب نے معلم کے مقام کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد ایک معلم نذیر احمد فاروقی صاحب کو ہندوؤں کے ایک متروکہ مکان سے ایک دفینہ ملا۔ رات کا وقت تھا۔ وہ رات بھر جاگ کر سوچتے رہے کہ اس کا کیا کیا جائے۔ صبح ہوتے ہوتے وہ ایک نتیجہ پر پہنچ چکے تھے۔ دفینہ بہت بیش قیمت تھا۔ انہوں نے سکول سے رخصت حاصل کی اور سیدھے کیمل پور (موجودہ اٹک) جا پہنچے۔ ابھی تک وہاں ڈپٹی کمشنر انگریز موجود تھا۔ اس سے ملاقات کی اور سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ ڈپٹی کمشنر بہت خوش ہوا۔ فاروقی صاحب کی موجودگی میں خزانچی کو بلایا گیا اور سکوں کو شمار کیا گیا۔ رسید فاروقی صاحب کو دے دی گئی اور رقم خزانہ میں داخل کر دی گئی ڈپٹی کمشنر صاحب نے فاروقی صاحب کی بہت تعریف کی اور یقین دلایا کہ ان کی مناسب حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ڈپٹی کمشنر صاحب نے انسپکٹر مدارس راولپنڈی کو ہدائیت کی کہ نذیر احمد فاروقی جیسے اچھے اور دیانت دار معلم کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ انسپکٹر صاحب دورہ پر سکول گئے تو انہوں نے معلم مذکور کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے خوب لتاڑا کہ وہ دفینہ ان کے پاس لے کر کیوں نہ آیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد جب ڈپٹی کمشنر صاحب دورہ پر تلہ گنگ گئے تو ان کے ذہن میں نذیر احمد فاروقی کا واقعہ محفوظ تھا۔ انہوں نے سکول سے نذیر احمد فاروقی صاحب کو بلوایا اور ان سے محکمانہ حوصلہ افزائی کے بارے میں پوچھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کو تعریفی سند تک سے محروم رکھا گیا ہے تو انہوں نے وزارت تعلیم پنجاب اور ڈی۔ پی۔ آئی پنجاب سے خود رابطہ کیا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی بھرپور کوششوں کے نتیجہ میں نذیر احمد فاروقی صاحب کو صرف

دو تین سال کی مدت ملازمت کے باوجود انعامی طور پر بطور ہیڈ ماسٹر تعینات کر دیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز بھی تھا اور انعام بھی کیونکہ انگلش ٹیچر سے ہیڈ ماسٹر کے عہدہ تک پہنچتے پہنچتے بیس بائیس سال لگ جایا کرتے تھے۔

میں گورنمنٹ نارمل سکول شاہ پور صدر میں بطور انگلش ٹیچر تعینات تھا کہ مجھے امتحان میں سپرنٹنڈنٹ بنا کر گورنمنٹ ہائی سکول نوشہرہ (سون ویلی) بھیجا گیا۔ مجھے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ وہاں نذیر احمد فاروقی صاحب بطور ہیڈ ماسٹر تعینات تھے مجھے ان سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ بے حد شفقت اور محبت سے ملے پتہ چلا کہ قبل از وقت ترقی کی وجہ سے وہ کم و بیش اتنا ہی فائدہ حاصل کر چکے تھے جتنا انہیں دفینہ ملا تھا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ یہ حلال تھا..................اور وہ شائد ان کیلئے حلال نہ ہوتا۔

✤✤✤✤✤

تیرھواں باب

ایفائے عہد

قران مقدس میں وعدوں کو وفا کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وعدہ وفا نہ کرنے والوں سے باز پرس بھی ہوگی۔ ہمارے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور خود ایفائے عہد کے ایسے حسین نقوش صفحۂ روزگار پر ثبت کئے ہیں جو آنے والی نسلوں کیلئے ہدائت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوں گے۔ ذیل میں چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

1-اونٹ کے بدلے کھجوریں

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے اونٹ خریدا اور اس کے بدلہ میں ایک خاص قسم کی کھجوریں دینے کا وعدہ فرمایا۔ جب سودا طے ہو چکا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ کھجور کی وہ خاص قسم تو موجود نہیں۔ اعرابی ڈٹ گیا کہ وعدہ کے مطابق وہ خاص قسم کی کھجور ہی لے گا اس نے کچھ نازیبا الفاظ بھی استعمال کئے۔ ہائے دھوکہ بازی' ہائے دھوکہ بازی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب اس کو جھڑکا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم کے پاس بھیجا۔ ان کے پاس اس قسم کی کھجور موجود تھی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضرورت کے مطابق کھجور بھجوا دی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کے مطابق ادائیگی کر دی۔

2- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین دن انتظار کرتے رہے

ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپ میرا انتظار کریں میں

ابھی آتا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتظار کا وعدہ فرمالیا۔ وہ شخص بھول گیا۔ تین دن گذر گئے۔ جب اسے یاد آیا تو بے حد شرمندگی اور افسوس ہوا۔ بھاگا بھاگا آیا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہیں انتظار کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کیا صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔

3- پانی گرادیا

ایران کا مشہور جنگ جو ہرمز جب گرفتار کر کے امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لایا گیا تو اسکی اسلام دشمنی کی وجہ سے اس کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔ وہ بہت ہوشیار تھا اس نے پانی مانگا۔ اسے پانی کا ایک گلاس لاکر دیا گیا۔ اس نے یہ کہہ کر پانی پینے سے انکار کردیا کہ جب میں پانی منہ سے لگاؤں گا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ میں پانی صرف اس صورت میں پیوں گا جب مجھے اس بات کا یقین دلادیا جائے کہ جب تک میں اس گلاس کا پانی پی نہ لوں مجھے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس سے وعدہ کر لیا گیا کہ جب تک وہ پانی کا گلاس ختم نہ کر لے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ سن کر اس نے فوراً پانی زمین پر گرادیا۔ یہ دیکھ کر امیرالمؤمنین نے اس سے پوچھا:

امیرالمؤمنین: ''یہ تم نے کیا کیا؟''

ہرمز: ''میں نے پانی گرادیا ہے۔''

امیرالمؤمنین: ''لیکن کیوں؟ تمہیں تو بہت پیاس لگی ہوئی تھی۔''

ہرمز: ''میں نے پانی اس لئے گرایا ہے کہ آپ مجھے قتل نہ کر سکیں۔

امیرالمؤمنین: ''وہ کس طرح؟''

ہرمز: ''وہ اس طرح کہ آپ وعدہ کر چکے ہیں کہ جب تک میں پانی کا وہ گلاس پی نہ لوں آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔ پانی میں نے گرادیا۔ اب نہ میں پانی پیوں گا اور نہ آپ

مجھے قتل کر سکیں گے۔"

حاضرین: "یہ دھوکہ اور فریب کاری ہے۔ اس کی گردن مار دی جائے۔"

امیر المؤمنین: "ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم وعدہ کر چکے ہیں۔ ہمیں اپنے وعدہ کا پاس ہے۔ مسلمان کبھی اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔"

لوگ خاموش ہو گئے اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرمز کو آزاد کر دیا اور جانے کی اجازت دے دی۔

ہرمز کو یقین نہیں تھا کہ اس طرح آسانی سے اسے جانے دیا جائے گا۔ وہ ایفائے عہد کا یہ اعلیٰ نمونہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ خاص طور پر خلیفۃ المسلمین کی عالی ظرفی اور بلند ہستی نے اسے حیران کر دیا۔

4- حیرہ کا بادشاہ

حیرہ ایک قدیم عرب سلطنت تھی۔ اس کے ایک بادشاہ کا نام منذر بن ماء السماء تھا۔ بادشاہوں کے بھی عجیب چونچلے ہوتے ہیں۔ اس نے سال میں دو دن ایسے رکھے ہوئے تھے کہ ایک روز جس کا نام یوم نعیم تھا اس روز جس شخص پر سب سے پہلے اس کی نظر پڑتی اسے سو اونٹ انعام دیا کرتا تھا اور دوسرا روز جس کا نام یوم البؤس رکھا ہوا تھا اس روز جس شخص پر سب سے پہلے نظر پڑ جاتی اس کو قتل کروا دیتا تھا۔

ایک روز بادشاہ شکار کے لئے گیا اور شکار کھیلتا ہوا لشکر سے الگ ہو گیا۔ سخت بارش بھی شروع ہو گئی۔ بادشاہ کو ایک مکان نظر آیا۔ اس میں اس نے پناہ لی۔ مکان بنی طے کے ایک شخص حنظلہ نامی کا تھا۔ اس نے بادشاہ کی خوب خاطر کی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ بادشاہ ہے۔ نعمان نے رات وہاں بسر کی۔ صبح رخصت ہوتے وقت اپنے میزبانوں کو بتایا کہ میں نعمان ہوں کسی وقت میرے پاس آنا میں تمہیں اس خدمت کا صلہ دوں گا۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد حنظلہ کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی۔ بیوی کے یاد دلانے پر وہ نعمان

کے محل میں جا پہنچا۔ جس روز وہ پہنچا وہ نحوست کا دن تھا اور سب سے پہلے نعمان نے اسے ہی دیکھا تھا

نعمان: ''(جلاد کو اشارہ کرتے ہوئے) اس کا سر قلم کر دو۔''

حنظلہ: ''بادشاہ سلامت! میں حنظلہ ہوں۔''

نعمان: ''کون حنظلہ؟''

حنظلہ: ''جس کے پاس تم نے رات گذاری تھی۔ جس نے بکری ذبح کر کے تمہاری تواضع کی تھی۔''

نعمان: ''ہائے افسوس! تم نے یہ کیا کر دیا؟ آج کیوں میرے سامنے آ گئے؟ اب میں مجبور ہوں اپنا طریقہ نہیں بدل سکتا۔ تمہیں مرنا ہی ہوگا۔

حنظلہ: ''میری آخری حاجت تو قبول کر سکتے ہو نا!''

نعمان: ''کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟''

حنظلہ: ''مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں گھر والوں کو مل لوں۔ ان کے لئے کچھ انتظام کر لوں۔''

نعمان: ''تمہیں ضامن دینا پڑے گا۔''

بنی کلب کے ایک شخص قراد بن اجدع نے اس کی شخصی ضمانت پیش کی اور حنظلہ کو جانے کی اجازت دیدی گئی۔ بادشاہ نے وقت رخصت اسے پانچ سو اونٹنیاں دیں اور ایک سال میعاد مقرر ہوئی۔

میعاد ختم ہو گئی لیکن حنظلہ واپس نہ لوٹا۔ بادشاہ خوش تھا وہ حنظلہ کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ضامن کی گردن مار دی جائے۔ جب ضامن کو قتل کرنے لگے تو دور سے گرد و غبار اڑتا نظر آیا اور جب غبار چھٹا تو حنظلہ نمودار ہوا۔ ضامن کی جان بچ گئی۔ حنظلہ کو دیکھ کر بادشاہ نے کہا:

نعمان: ''جب تمہاری جان بچ گئی تو پھر تمہیں کس چیز نے واپس آنے پر مجبور کیا؟''

حنظلہ: ''میرا دین بدعہدی کا درس نہیں دیتا۔''

نعمان: ''تم کس دین کے پیروکار ہو؟''

حنظلہ: ''نصرانیت کا!''

نعمان: ''اپنے دین کی تعلیمات پیش کرو۔''

حنظلہ نے بادشاہ کے سامنے عیسائیت کی تعلیمات پیش کیں۔ بادشاہ نے عیسائیت قبول کرلی۔ اس کو دیکھ کر تمام رعیت بھی عیسائی ہوگئی۔ بادشاہ نے اس قبیح رسم کے خاتمے کا اعلان کردیا اور ایک مرتبہ پھر حنظلہ کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس وقت نصرانیت ہی سچا مذہب تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ بعثت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔

5- میں آ گیا ہوں

فاروق اعظم کا دربار لگا ہوا تھا۔ مقدمات پیش ہو رہے تھے۔ فیصلے صادر کئے جا رہے تھے۔ ایک خوبصورت جوان کو دو آدمی مضبوطی سے پکڑے ہوئے فریاد کرتے آ رہے تھے امیرالمؤمنین نے آواز سن لی تو فوراً طلب کرلیا۔ پوچھا:

امیرالمؤمنین: ''کیا بات ہے؟ اس جوان کو کیوں گرفت میں لے رکھا ہے اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

فریادی: ''امیرالمؤمنین! یہ ہمارے باپ کا قاتل ہے۔''

امیرالمؤمنین: ''(جوان سے مخاطب ہوکر) کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟

تم اپنی صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ سکتے ہو۔''

ملزم: ''حضور! ان کا باپ میرے پتھر کی ضرب سے مرا لیکن میرا ارادہ قتل نہیں تھا۔ میرا اونٹ ایک باغ میں گھس گیا تھا باغ کے بوڑھے مالک نے پتھر مار کر میرے اونٹ کی آنکھ پھوڑ دی۔ غصہ میں میں نے بھی پتھر مار دیا جس سے اس کی موت واقعہ ہوگئی۔''

امیرالمؤمنین: ''تم نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ تم سے قصاص لیا جائے گا۔''

ملزم: ''امیرالمؤمنین! میرا سر تسلیم خم ہے لیکن میرے ذمہ کچھ فرائض ہیں مجھے تین دن کی مہلت دی جائے۔''

امیرالمؤمنین! تجھے ضامن دینا پڑے گا۔''

جوان نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن کوئی شناسا چہرہ نظر نہ آیا جسے وہ ضمانت کیلئے کہتا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ وہ جوان کی کس پرسی دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے:

حضرت ابوذر غفاری: ''میں اس جوان کا ضامن ہوں۔''

مجرم کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ دو دن گذر گئے۔ تیسرا دن آ گیا۔ مجرم واپس نہ لوٹا۔ بوڑھے کے ورثا قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

امیرالمؤمنین: ''ابوذرؓ! کہو اب تم کیا کہتے ہو؟''

حضرت ابوذرؓ: ''امیرالمؤمنین! دن کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے۔ سورج غروب ہونے تک توقف کیجئے اس کے بعد میں اپنی گردن حاضر کردوں گا۔''

امیرالمؤمنین: ''ابوذر! یہ آپ نے کیا کیا۔ ایک ناواقف کی ضمانت اٹھالی؟''

حضرت ابوذر: ''امیرالمؤمنین! یہ وہی مسجد نبوی ہے جہاں میرے آقا تاج دار عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کے دھارے بہتے تھے۔ مجھے یہ گوارہ نہ ہوا کہ جوان کی آرزوئیں مسجد نبوی میں کچلی جائیں۔ ایک ابوذر کیا ہزار ابوذر بھی اگر مدنی تاج دار کی ادائے رحمت پر قربان ہوجائیں تو سودا مہنگا نہ ہوگا۔''

سورج غروب ہونے والا تھا۔ سب پریشان تھے لیکن حضرت ابوذرؓ کے چہرہ پر

اطمینان جھلک رہا تھا۔ اسی دوران دور سے گرد و غبار اڑتا نظر آیا اور پھر وہ جوان سامنے آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

جوان: ''امیرالمؤمنین! میں وعدہ کے مطابق حاضر ہوگیا ہوں اور خود کو قصاص کیلئے پیش کرتا ہوں۔''

امیرالمؤمنین: ''نوجوان! تمہیں جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ تم واپس نہ آتے تو کسی کے پاس تمہارا پتہ نشان نہیں تھا کون سی چیز تمہیں جان دینے کیلئے واپس لے آئی؟''

جوان: ''امیرالمؤمنین! میں نے سوچا کہ میرے خون کا دھبہ تو چند دنوں میں مٹ جائے گا۔ اگر میں نے عہد شکنی کی تو اسلام کے مقدس نام پر ایسا دھبہ لگاؤں گا جو کبھی نہیں مٹے گا۔ یہ مجھے گوارہ نہ ہوا اور میں حاضر خدمت ہوگیا۔''

یہ سن کر لوگوں کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور دل بھر آئے۔ مدعی عالم بے تابی میں کھڑے ہوگئے اور یک زبان ہو کر کہنے لگا:

مدعیان: ''امیرالمؤمنین! ہم اپنے باپ کے خون کا دعویٰ واپس لیتے ہیں۔ ہم بھی یہ نہیں چاہتے کہ مستقبل کا مورخ یہ لکھنے پر مجبور ہو جائے کہ تاج دار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو عفو و درگذر کا جو سبق دیا تھا وہ اسے چند سالوں میں بھلا بیٹھے۔''

یہ سن کر امیرالمؤمنین سمیت دربار میں موجود ہر چہرہ شگفتہ ہر نظر مخمور اور ہر دل بادۂ مسرت سے سرشار تھا۔

چودھواں باب

مہمان نوازی

1- حضورؐ نے بستر خود دھویا

ہمارے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حد درجہ مہمان نواز تھے۔ اپنے ہاتھوں مہمان کی خدمت کرنا پسند کرتے تھے۔ اگر کوئی مہمان آ جاتا اور اس کو پیش کرنے کیلئے گھر میں کچھ نہ ہوتا تو بجائے مہمان کو جواب دینے کے کسی صحابی کے سپرد کر دیا کرتے تھے اور اس کی خاطر تواضع کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک بدو مہمان آ گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھرپور انداز میں مہمان نوازی فرمائی۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر کافی مقدار میں دودھ بھی پی لیا۔ خوراک کی اتنی مقدار معدہ نے قبول نہ کی۔ رات پیٹ میں درد اٹھا۔ ایسا بے حال ہو گیا کہ بستر سے اٹھ ہی نہ سکا اور بستر خراب کر دیا۔ جب اس کے ہوش و حواس بحال ہوئے تو پریشان ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سامنا کس طرح کروں گا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ صاحب خانہ کے آنے سے پہلے ہی چلا جاؤں گا تاکہ شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو مہمان غائب تھا۔ جب آپ نے بستر کا مشاہدہ فرمایا تو مہمان کے بلا اطلاع رخصت ہو جانے کا راز کھل گیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی بستر کو دھونا شروع کر دیا۔ اسی دوران کوئی صحابی تشریف لے آئے اور انہوں نے بستر دھونے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مہمان میرا تھا اس کا کام مجھے ہی کرنا چاہیے۔

مہمان جب کچھ دور نکل گیا تو اس کو خیال آیا کہ وہ اپنا کچھ سامان تو وہیں چھوڑ آیا ہے۔

اب وہ تذبذب کا شکار ہو گیا..................

جانے میں شرمندگی اور خجالت اٹھانا پڑتی تھی..................نہ جانے کی صورت میں سامان سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے.................

آخر وہ جانے کیلئے تیار ہوگیا..................اور جب گیا تو کیا دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے اس کا خراب کیا ہوا بستر دھو رہے تھے۔ جب وہ خجالت اور شرمندگی کا اظہار کرنے لگا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بغیر اطلاع کے کیوں چلے گئے تھے۔ تکلیف کی مجھے خبر دیتے تاکہ میں تمہاری مدد کرتا۔

2- بیٹے کو جھڑک دیا

سیدنا صدیق اکبرؓ حد درجہ مہمان نواز تھے۔ جب تک مہمان گھر میں رہتا اس کے سامنے رہتے اور خود اس کی ضروریات کا خیال فرماتے۔ ایک دفعہ گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ آپ ان کی خدمت میں مصروف تھے۔ ان کیلئے کھانا تیار کروا رہے تھے۔ اسی دوران سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بلاوا آگیا۔ وہاں جانا ضروری تھا۔ جانے سے پہلے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو علیحدہ بلا کر خوب اچھی طرح سمجھایا کہ مہمانوں کے سامنے حاضر رہیں ان کی خدمت میں کسی طرح کی فروگذاشت نہ کریں۔ اگر کھانا تیار ہو جائے تو میرا انتظار کئے بغیر مہمانوں کو کھلا دیا جائے تاکہ انہیں انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

کھانا تیار ہوگیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے مہمانوں سے کھانا پیش کرنے کی اجازت طلب کی لیکن انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ انتظار کیا جانے لگا۔ کافی دیر بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور جب ان کو پتہ چلا کہ مہمانوں کو کھانا پیش نہیں کیا گیا تو انہوں نے اسے حضرت عبدالرحمٰن کی لاپرواہی سمجھا۔ مہمانوں کے سامنے انہیں سخت سست کہا۔ وہ شرمندہ

ہو کر وہاں سے ہٹ گئے۔ بعد میں مہمانوں نے اچھی طرح یقین دلایا کہ اس معاملہ میں عبدالرحمٰن نے کسی لاپرواہی یا کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اس بات کا تقاضہ کیا تھا کہ آپ کی آمد پر ہی کھائیں گے۔

3-دیا بجھا دیا

کاشانہ نبویؐ میں اکثر فاقے رہا کرتے تھے۔ ایک روز ایک مہمان آ گیا گھر میں کچھ موجود نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہمان کو بھوکا لوٹا دینا گوارہ نہ فرمایا صحابہؓ سے استفسار فرمایا کہ کون اس مہمان کی میزبانی کریگا؟

حضرت ابوطلحہؓ نے میزبانی کے فرائض انجام دینے پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور مہمان کو ساتھ لے گئے۔ علیحدگی میں زوجہ سے بات کی تو اس نے بتایا کہ گھر میں صرف ایک آدمی کیلئے کھانا ہے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ کھانا دینے کے بعد تم کسی بہانے سے دیا بجھا دینا اندھیرے میں مہمان کھاتا رہے گا اور میں بغیر منہ میں لقمہ ڈالے ویسے ہی منہ چلاتا رہوں گا تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ میں بھی اس کے ساتھ شریک طعام ہوں۔ چنانچہ اسی ترکیب پر عمل کیا گیا۔

مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا..................

میزبان نے کچھ نہ کھایا.................لیکن.................

مہمان کو اسکا احساس نہ ہونے دیا تاکہ اس کو شرمندگی نہ ہو کہ اس نے گھر والوں کے حصہ کا کھانا کھا لیا۔

4-معروف ایرانی

ایران کے کسی شہر میں معروف نامی ایک بزرگ رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ہاں ایک آدمی مہمان بن کر آ گیا۔ وہ آدمی اچانک کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا۔ حضرت

معروف دن رات اس کی خدمت میں لگے رہتے۔ ان کا دن کا چین اور رات کا سکون لٹ گیا اور اس پر زیادتی یہ کہ وہ مہمان بیماری کی وجہ سے بہت چڑ چڑا ہو گیا۔ وہ بات بات پر بگڑ جاتا اور برا بھلا کہنا شروع کر دیتا۔ ایک رات حضرت معروف کو نیند آ گئی لیکن جلد ہی مہمان کے زور زور سے چیخنے اور چلانے سے جاگ اٹھے۔ مریض انکو گالیاں دے رہا تھا۔ انکو برا اور ریا کار گردان رہا تھا۔ جبکہ آپ بالکل خاموش کھڑے سن رہے تھے۔ اس شور وغل نے پڑوسیوں کو بھی پریشان کر دیا۔

صبح ہوئی تو کچھ پڑوسی حضرت معروف کے گھر آ گئے اور مہمان کو اس کی بداخلاقی پر برا بھلا کہنے لگے اور میزبان کے ساتھ اس کے گھٹیا سلوک پر تنقید کرنے لگے۔ معروف نے یہ سن کر کہا:

دوستو! میرا مہمان بہت بیمار ہے اسے بیماری کی شدت میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اسلئے اسے برا بھلا نہ کہو بلکہ اسکے ساتھ اظہار ہمدردی کرو۔

پڑوسی معروف کے صبر و تحمل اور مہمان نوازی کے جذبہ سے بہت متاثر ہوئے۔

وہ گھروں کو لوٹے تو ان کی زبانوں پر اپنے پڑوسی کی عظمت کے تذکرے تھے۔

5- دشمن کے گھر مہمان

موسم سرما میں عام طور پر کہر کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ کئی سال قبل ملک شدید دھند اور کہر کے بادلوں میں گھر گیا تھا۔ دن رات کہر کے گھنے بادل چھائے رہتے تھے۔ سڑکوں پر بیشمار حادثات پیش آ جاتے تھے۔ چند قدم کے فاصلہ تک نگاہ کام کرتی تھی اس سے آگے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس دوران ایک واقعہ رونما ہوا جس کا تذکرہ ذاتی معلومات کی بنیاد پر کیا جا رہا ہے۔

ایک شخص رات دس بجے کی گاڑی سے ریلوے سٹیشن پر اترا۔ جس گاؤں میں اس نے جانا تھا وہ ریلوے سٹیشن سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ کہر کی دبیز چادر چھائی ہوئی تھی۔ کچھ

دکھائی نہ دے رہا تھا۔اس شخص نے ریلوے سٹیشن سے سیدھا مغرب کی طرف جاتا تھا کچھ دور چلنے کے بعد اس کا رخ شمال مغرب کو ہوگیا اور وہ چلتے چلتے شمال کی سمت سے گاؤں سے آگے نکل گیا۔آگے ڈیرہ جات تھے۔جنگل میں رہنے والے لوگوں نے بڑے ظالم کتے رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔کتے اسکے پیچھے لگ گئے۔درختوں' جھاڑیوں' اور فصلوں سے الجھتا ہوا وہ زخمی ہوگیا۔

اب وہ گاؤں سے دو میل مغرب کی طرف بھٹکتا پھر رہا تھا۔ایک جگہ اسے کتوں نے بری طرح گھیر لیا۔مالک نے جو باڑے کے اندر اپنے مویشوں کے پاس سویا ہوا تھا اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو بتایا کہ کتوں نے کسی آدمی کو گھیر رکھا ہے مجھے انسان کے کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں جلدی جا کر دیکھو۔

چھوٹا بھائی کتوں سے آدمی کو چھڑا کر اندر لے آیا۔وہ اس وقت تک بری طرح زخمی ہوچکا تھا۔اگر ذرا دیر اور ہوجاتی تو کتوں نے اسے ختم کر دیا ہوتا۔اندر پہنچ کر وہ آدمی بے ہوش ہوگیا۔ڈیرہ والے دونوں بھائی اسے دیکھ کر حیران رہ گئے وہ انکا دشمن تھا۔دونوں خاندانوں میں سخت دشمنی چلی آتی تھی۔

چھوٹے نے بڑے سے پوچھا:اب کیا خیال ہے؟

بڑا:''جلدی کرو! دودھ گرم کر کے لے آؤ اور اسکے زخموں پر لگانے کیلئے تیل وغیرہ بھی لے آؤ۔''

چھوٹا:''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

بڑا:''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔اس وقت یہ شخص ہمارا مہمان ہے اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔''

چھوٹا:''جیسے تمہاری مرضی۔''

انہوں نے اس کے زخموں پر تیل وغیرہ لگا کر پٹیاں باندھ دیں اس کے قریب آگ

جلا دی۔ دودھ میں شہد ملا کر اسے پلایا۔ اسکا خاطر خواہ اثر ہوا۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ جب وہ اچھی طرح دیکھنے کے قابل ہوگیا تو اس نے پہچان لیا کہ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی اس کے سخت دشمن ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔ بڑے بھائی نے اس کی گھبراہٹ کا اندازہ لگا لیا اور کہنے لگا:

''فکر نہ کرو! یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ اس وقت تم ہمارے مہمان ہو۔ پھر زخمی اور پریشان ہو۔ ہم ہر طرح تمہاری حفاظت کریں گے۔ اگر تم گھر جانا چاہو تو ابھی تمہیں گھر پہنچا دیں گے اگر ہماری بات کا یقین کرلو تو لیٹ جاؤ صبح تمہیں گھر پہنچا دیا جائے گا۔''

وہ بیچارہ تو حرکت کرنے سے بھی عاری تھا جب اسے یقین آ گیا کہ اسکی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں تو اس نے رات اپنے دشمنوں کے ڈیرے پر ہی گذارنے کا فیصلہ کرلیا۔

اور وہ.................جو اس کے دشمن تھے

اب.................اس کے میزبان تھے

رات بھر اسے انڈے، دودھ، چاۓ وغیرہ پلاتے رہے اور صبح اسے لے جا کر گاؤں چھوڑ آئے۔

6-درویش صفت

گورنمنٹ ہائی سکول کھیوڑہ میں میرا تقرر بطور ہیڈ ماسٹر 1971ء میں ہوا۔ جب وہاں رہائش اختیار کی تو ایک روز رفیق کار نے جناب پیر مقصر شاہ صاحب کے بارے میں بتایا کہ بہت بزرگ اور درویش انسان ہیں۔ میں نے وعدہ کرلیا کہ ضرور کسی روز ان کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ پیر صاحب کافی معمر تھے اور بڑھاپے کے باوجود پانچوں اوقات کی نماز مسجد میں خود پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے در دولت پر تو حاضری نہ دے سکا لیکن ایک روز مسجد میں ملاقات ہوگئی۔ کسی ساتھی نے پیر صاحب سے میرا تعارف کروا دیا۔ بہت محبت سے ملے اور چند روز بعد کھانے کی دعوت دے دی۔

جب میں پیر صاحب کے حجرہ میں پہنچا تو دروازہ پر لینے کیلئے خود آئے۔ مجھے لے جا کر اپنی نشست کے قریب بٹھا دیا جب تک میں بیٹھ نہ گیا آپ کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد کھانے کا اہتمام شروع ہوگیا آپ نے خود دسترخوان بچھایا۔ مہمانوں کے سامنے برتن خود رکھے اور جب کھانا شروع ہوگیا تو سالن کے برتن سے بوٹیاں نکال نکال کر مہمانوں کی پلیٹوں میں رکھتے اور زیر لب مسکراتے بھی رہے۔ دسترخوان سے روٹی نکال کر دو ٹکڑے کر کے مہمانوں کے سامنے رکھتے رہے۔ کھانا ختم ہوا تو دسترخوان خود سمیٹا حالانکہ ان کے بیٹے پوتے موجود تھے۔ کھانے کے بعد سبز قہوہ کا دور شروع ہوا تو سب مہمانوں کے سامنے خود پیالیاں رکھیں۔ مہمانوں نے جب رخصت طلب کی تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب مہمانوں کے جوتے سیدھے کئے اور حجرہ سے باہر نکل کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور سب مہمانوں سے مصافحہ کیا۔

یہ میری پیر صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ حج بیت اللہ شریف لے گئے۔ میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو منیجر سالٹ مائن اور کچھ دوسرے مہمان بھی موجود تھے۔ سب کو ایک ایک ٹوپی اور تسبیح عنائیت فرمائی۔ میرے گھر پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد آپکا پوتا کافی سامان میرے لئے لیکر آ گیا جس میں پھل، پارچات اور سامان خورد و نوش شامل تھا۔

مہمان کے اکرام کا کیا پیارا انداز ہے۔ یہ سامان آپ نے مجھے اس وقت نہ دیا کہ دوسرے معزز مہمانوں کی دلشکنی نہ ہو بعد میں بھجوا دیا۔

7- اللہ کی طرف سے مہماں نوازی

بلخ کے حکمران ابراہیم ادھم تخت و تاج کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے تو پہلی رات جنگل میں گذارنا پڑی۔

کہاں شاہی محل! اور کہاں جنگل!

پھرتے پھراتے ایک جھونپڑی کے قریب پہنچے اندر سے کسی آدمی کی آواز آ رہی تھی۔

جھونپڑی والے سے کہا ”آج میں بھی تمہارے پاس رہوں گا۔“

وہ کہنے لگا: ”میں تمہیں نہیں رکھ سکتا۔“

اسے دو روٹیاں ملتی تھیں۔ اس نے سوچا ایک روٹی اس کو دینا پڑے گی۔ اسلئے انکار کر دیا۔

حضرت ابراہیم ادھم چند قدم دور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد ایک فرشتہ اسی طرح کے شاہی کھانے لے کر آ گیا جیسے وہ اپنے محل میں کھایا کرتے تھے۔

ابراہیم ادھم نے فرمایا: ”مجھے آج کھانے کی حاجت نہیں۔ اس جھونپڑی میں ایک اللہ کا بندہ ہے اسے پہنچا دو“

فرشتہ جب یہ خوانِ نعمت درویش کے پاس لے کر گیا تو دوسرا فرشتہ اس کی دو روٹیاں اور ایک پیاز لے کر آ گیا۔

درویش یہ دیکھ کر کہنے لگا: واہ! میں بارہ سال سے حالت فقر میں ہوں اور میرے لئے یہ کھانا اور یہ آج آیا ہے اور اس کیلئے ایسا خوان نعمت!“

اس پر ندا آئی کہ:

یہ شخص میری محبت میں چالیس شہزادوں کی بادشاہی چھوڑ کر آیا ہے اور میرا مہمان بنا ہے اسے معمولی کھانا دیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے ....

8- تحصیل دار

میں گورنمنٹ نارمل سکول شاہ پور صدر ضلع سرگودھا میں تعینات تھا۔ ہم زیر تربیت اساتذہ کو سیر کیلئے لنڈی کوتل لے گئے۔ غالباً یہ 1962ء کا واقعہ ہے۔ ہم پانچ اساتذہ اور ساٹھ زیر تربیت اساتذہ تھے۔ جب ہم فتح جنگ میں سے گذر رہے تھے تو گورنمنٹ ہائی

سکول میں پانی پینے کیلئے رُک گئے۔ وہاں سکول کا جلسہ ہو رہا تھا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر ملک نور زمان صاحب نے مجھے پہچان لیا کیونکہ وہ میرے ساتھ گورنمنٹ ہائی سکول حسن ابدال میں کام کر چکے تھے۔ وہ مجھے سٹیج پر لے گئے۔ وہاں ایک بزرگ مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف فرما تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ہم شاہ پور صدر سے آئے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ تپاک سے ملے اور کہنے لگے کہ آپ تو میرے مہمان ہیں۔ میں آپ لوگوں کو کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے نہیں دوں گا۔ جب انہیں بتایا کہ ہم نے تو ایک بجے جمرود قلعہ پہنچنا ہے تو کہنے لگے میں واپسی پر ضرور دعوت کروں گا۔ انہوں نے ہمارا واپسی کا پروگرام لے لیا اور جب ہم واپس فتح جنگ پہنچے تو رات کے دس بج چکے تھے۔ ان کے دو آدمی ہمیں ایک قریبی گاؤں میں لے گئے جہاں محمود الزمان صاحب نے ستر آدمیوں کو پرتکلف ڈنر دیا۔ آخر میں بتایا کہ آپ لوگوں کو مہمان اس لئے بتایا ہے کہ میرا بھی شاہ پور صدر سے تعلق رہا ہے۔ میں وہاں بطور تحصیل دار تعینات رہا ہوں۔

پندرھواں باب

1-عدل و مساوات

﴿اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی کٹوا دیتا﴾

عدل و مساوات کا جو بہترین درس دنیا کے سامنے اسلام نے پیش کیا اس کی مثال اور کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کے تاجدار ہیں۔ اس شہر کے باسیوں کو اسلامی عدل و مساوات کی وجہ سے جو سکون قلب نصیب ہوا وہ ناقابل بیان ہے۔ ہر چھوٹے بڑے امیر غریب کالے گورے اور عربی عجمی کیلئے ایک قانون تھا۔

فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی۔ چوری کے گواہ موجود تھے۔ جرم ثابت ہوگیا۔ سزا قرآن نے مقرر کردی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرمہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ مجرمہ کا تعلق مدینہ منورہ کے کسی بڑے خاندان سے تھا۔ بعض صحابہ کرام کو اس خاندان کی عزت بچانا مقصود تھی لیکن کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر سفارش کر دیتا۔ آخر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے باہم مشورہ سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خاتون کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کردی اور فرمایا کہ اگر چوری کا ارتکاب میری بیٹی فاطمہ بھی کرتی تو اس کو بھی سزا ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ پہلی قومیں اسلئے برباد ہوگئیں کہ انہوں نے دہرے قانون بنا رکھے تھے۔ صاحب حیثیت لوگوں کیلئے الگ قانون تھا اور غریبوں کیلئے الگ۔ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔

2- مٹی کا بورا

ہسپانیہ کے ایک خلیفہ کا نام الحکم تھا۔ وہ ایک محل تعمیر کروانا چاہتا تھا۔ محل کیلئے اس نے

جس جگہ کا انتخاب کیا وہ ایک بڑھیا کی تھی۔ بڑھیا اپنی جگہ سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہ تھی۔ خلیفہ نے جگہ پر زبردستی قبضہ کرلیا اور محل کی تعمیر کا حکم دے دیا۔ جب محل کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا تو بڑھیا بیچاری پریشان ہوگئی۔ بڑھیا نے خلیفہ کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کردیا۔

قاضی صاحب نے کافی غور و خوض کے بعد ایک منصوبہ بنایا اور اس پر عمل درآمد کیلئے ایک گدھا اور ایک بورا منگوالیا۔ ایک روز جب خلیفہ تعمیراتی کام کا جائزہ لینے کیلئے آیا ہوا تھا قاضی بھی گدھے کو ہانکتا ہوا وہاں جا نکلا۔ لوگ قاضی صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گئے اور کھسر پھسر کرنے لگے۔ قاضی نے پرواہ نہ کی اور بادشاہ کے قریب پہنچ کر بورا مٹی سے بھرنا شروع کردیا۔ خلیفہ قاضی کی اس حرکت کو دیکھ کر مسکراتا رہا اور اسے مذاق سمجھا۔ قاضی جب بورا بھر چکا تو کہنے لگا:

قاضی: ''حضور والا! ذرا زحمت فرمایئے اور مجھے یہ بورا گدھے پر لدوانے میں مدد دیجئے۔''

خلیفہ: ''قاضی صاحب! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟''

قاضی: ''حضور والا! آپ ذرا تکلیف فرمایئے میں ابھی آپ کی خدمت میں عرض کردوں گا۔''

خلیفہ نے اسے ایک مذاق سمجھتے ہوئے آگے بڑھ کر بورا لدوانے کی کوشش کی لیکن وہ بورے کو زمین سے ذرا بھر جنبش بھی نہ دے سکا اور اس کوشش میں پسینہ میں شرابور ہوگیا۔ یہ دیکھ کر قاضی نے کہا:

قاضی: ''عالی جاہ! بورے کی مٹی تو آپ اٹھا نہیں سکے یہ پورا قطعہ اراضی آپ کیسے اٹھائیں گے؟''

خلیفہ: ''قاضی صاحب! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

قاضی: ”عالی جاہ! ظلم و زیادتی سے چھینا گیا قطعہ اراضی قیامت کے روز ظالم کے سر پر رکھ دیا جائے گا۔“

خلیفہ الحکم قیامت کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور اسی وقت حکم جاری کر دیا کہ محل کی تعمیر موقوف کر دی جائے اور بڑھیا کا قطعہ اراضی اسے لوٹا دیا جائے۔ خلیفہ نے انعام و اکرام دے کر بڑھیا کو راضی کر لیا۔

3- پان کی گلوری

(شیر شاہ سوری کا عدل)

ایک نوجوان فرید خان سوتیلی ماں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر گھر سے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہی نوجوان اپنی ان تھک محنت لگن اور جذبہ سرفروشی کے بل بوتے پر ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا اسے ہندوستان پر صرف چند سال حکومت کرنے کا موقع ملا لیکن اس مختصر عرصہ میں اس نے عدل و مساوات اور انتظام و انصرام کے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ آج بھی تاریخ ہند میں ان کی چمک دمک ماند نہیں پڑی۔ درج ذیل سطور میں ہم اس کے عدل و مساوات کا ایک قصہ قارئین کی نظر کر رہے ہیں۔

آگرہ کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک بنیا رہتا تھا۔ اس کا چھوٹا سا گھر تھا۔ گھر میں غسل خانہ تھا۔ چھوٹا سا صحن تھا جسکی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ بنیا اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر میں رہتا تھا۔ نہانا ہوتا تو وہ صحن میں ہی نہایا کرتے تھے۔ ایک روز یہ بنیا شیر شاہ سوری کے دربار میں فریادی بن کر آیا اور کہنے لگا:

ہندو بنیا: ”مائی باپ! انصاف۔ رحم...............“

بادشاہ: ”ڈرو مت! تمہارے ساتھ زیادتی نہیں انصاف ہوگا۔“

ہندو بنیا: ”(ہاتھ جوڑتے ہوئے) پرماتما آپ کا چھتر سلامت رکھے۔“

بادشاہ: ”کہو! تمہیں کس نے ستایا ہے؟“

ہندو بنیا: ''مائی باپ! کیا کروں (زبان ساتھ نہیں دیتی۔ دل کانپ جاتا ہے۔
(خوف کے مارے بنیا کانپنے لگتا ہے)

بادشاہ: ''تمہارے دل پر کس بات کا خوف مسلط ہے؟
جو بھی جی میں ہے کہہ ڈالو!''

ہندو بنیا: ''جہاں پناہ! اس بے کس پر ظلم ڈھانے والی اگر کوئی بڑی شخصیت ہو تو پھر؟

بادشاہ: ''پھر بھی انصاف کیا جائے گا۔ شیر شاہ کے دل میں اللہ کا خوف اور بازوؤں میں طاقت ہے۔ اسے انصاف کرنا آتا ہے۔''

ہندو بنیا: ''(زمین پر گر پڑتا ہے) مائی باپ اگر ظلم ڈھانے والا شہزادہ ہو تو پھر (رونے لگتا ہے)

بادشاہ: ''فریادی! اٹھو۔ شیر شاہ کے دربار میں انصاف کی بھیک مت مانگو۔ یہ تمہارا حق ہے۔ اپنا حق طلب کرو۔ تمہارا حق ادا کرنا میرا فرض ہے۔ میں اپنا فرض ادا کرنا جانتا ہوں۔''

ہندو بنیا: ''مائی باپ! شہزادہ عادل خان..........(بیٹے کی زبان گنگ ہو جاتی ہے)

شیر شاہ: ''(غصہ میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی آواز گونج اٹھتی ہے)

ہندو بنیا: ''مائی باپ! آپ ہماری عزت و آبرو کے محافظ نہیں!

شیر شاہ: ''بلاشبہ نہیں! تم ہمارے صبر کا مزید امتحان نہ لو اور کھل کر کہہ دو کہ عادل خان نے تمہارے ساتھ کیا زیادتی کی ہے؟''

ہندو بنیا: ''عالی جاہ! میری بیوی گھر کے صحن میں نہا رہی تھی کہ شہزادہ صاحب ہاتھی پر سوار ہو کر بغیر کسی اعلان کے ہماری گلی میں سے گزرے اور وہاں رک گئے۔ میری بیوی کی طرف ایک گلوری پھینک دی اور مسکرانے لگے۔ گاؤں میں اس بات کا خوب چرچا ہے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میری عزت لوٹی گئی ہے۔

شہنشاہ ہند: ''فریادی! تمہاری نہیں ہماری عزت لوٹی گئی ہے۔ آج ابھی اور اسی وقت

انصاف کے تقاضے پورے ہونگے (پھر گرج کر)

''مجرم عادل خان کو پیش کیا جائے!

(فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور شہزادہ عادلُ خان کو دربار میں پیش کر دیا گیا)

شیر شاہ: ''(عالم غیض و غضب میں) ملزم عادل خان! تمہیں الزام کی نوعیت کا علم ہے۔''

شہزادہ عادل خان: ''(بیٹے کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے) رحم! پدر بزرگوار

شیر شاہ: ''(گرج کر) عادل خان! تم باپ کے سامنے نہیں ہندوستان کے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو۔ اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہو تو کہو ورنہ تاجدار ہند اپنا فیصلہ سنا دے گا۔''

عادل خان: ''(سر جھکا لیتا ہے اور خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کا اقرار جرم ہے لیکن شہنشاہ اسکی زبان سے اقرار سننا چاہتے ہیں)

شیر شاہ: ''عادل خان! اپنے منہ سے اقرار کرو۔''

عادل خان: ''جہاں پناہ! میں انتہائی شرمندگی کے عالم میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں۔''

شیر شاہ: ''جرم کا اقرار کرتے ہو تو سنو! تمہاری بیوی بنیئے کے گھر کے آنگن میں غسل کرے گی۔ بنیا ہاتھی پر سوار ہو کر گلی میں سے گذرے گا۔ وہاں اپنا ہاتھی روک لے گا اور تمہاری بیوی کی طرف گلوری پھینکے گا۔''

فیصلہ سنانے کے بعد شیر شاہ نے گرج کر حکم دیا:

''فوری تعمیل کی جائے!''

عادل خان: ''(روتے ہوئے بادشاہ کے پاؤں پر گر جاتا ہے اور کہتا ہے)

عالم پناہ! میری بیوی شہنشاہ ہند کی بہو بھی ہے......رحم''

شیر شاہ: ''عادل خان! فریادی کی بیوی جس کو تم نے بے عزت کیا ہے وہ شہنشاہ ہند کی بیٹی ہے۔''

ہندو بنیا: (زارو قطار روتے ہوئے) جہاں پناہ! مجھے انصاف مل گیا آپ نے ایک غریب بنئے کی عزت رکھ لی۔ میں نے دل و جان سے شہزادہ عادل خان کو معاف کیا۔ پرماتما کیلئے فیصلہ پر نظر ثانی کیجئے۔"

شیر شاہ "عادل خان! دیکھا اس بنیئے کا ظرف! اس سے معافی مانگو۔"

شہزادہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں بنیئے سے معافی مانگنے کیلئے جب آگے بڑھا تو بنیا تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا خود شہزادہ عادل کے سامنے جھک گیا۔ عادل خان نے اسے گلے سے لگا لیا اور مال و دولت سے اسکی جھولی بھر دی۔

4-انجنیئر کا ہاتھ کاٹ دیا

سلطان محمد فاتح کا نام قسطنطنیہ کے فاتح کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ ہے۔ شہر فتح کرنے کے بعد شہر میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ بادشاہ نے ایک یونانی انجنیئر کو یہ کام سونپا۔ بادشاہ نے تعمیری کام کا آغاز ہونے سے قبل ہی انجنیئر پر واضح کر دیا کہ مسجد کے مینار کلیسا کے کلس سے اونچے ہونے چاہیں۔ مسجد کا نقشہ تیار کیا گیا پھر ماڈل تیار ہوا اور آخر میں مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ مسجد پر زر کثیر خرچ ہوا اور ایک شاندار مسجد تیار ہوگئی جو فن کا ایک عمدہ نمونہ تھی۔

سلطان محمد فاتح کو مسجد کے معائنہ کی دعوت دی گئی۔ سلطان مسجد دیکھ کر خوش ہوا۔ اس نے انجنیئروں اور کاریگروں کی دل کھول کر تعریف کی۔ بادشاہ کی نظر اچانک اوپر اٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ مسجد کے مینار کلیسا کے کلس سے اونچائی میں کم تھے سلطان محمد فاتح یہ دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ اسکی پریشانی آہستہ آہستہ غصے میں تبدیل ہوتی گئی۔ اسے خیال آیا کہ عیسائی انجنیئر نے یہ حرکت تعصب کی وجہ سے دانستہ کی ہے۔ انجنیئر سے جب باز پرس کی گئی تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ بادشاہ کے حکم سے انجنیئر کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ انجنیئر نے قاضی کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے بادشاہ کے خلاف مقدمہ

درج کرلیا اور ایک تاریخ مقرر کر کے بادشاہ کو عدالت میں طلب کرلیا۔ بادشاہ کسی اعتراض اور احتجاج کے بغیر عدالت میں حاضر ہوگیا۔ مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی تو قاضی نے بادشاہ کو انجنیئر کے برابر کھڑا کر دیا۔

مقدمہ کی سماعت کے بعد قاضی نے انجنیئر کے حق میں فیصلہ کر دیا اور بادشاہ کو حکم جاری کیا کہ انجنیئر کو ماہ بہ ماہ اپنی ذاتی آمدنی سے اتنی رقم ادا کرتا رہے جتنی وہ ہاتھ درست ہونے کی صورت میں کمالیا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا۔

5- حضرت ابن عباسؓ کا پرنالہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پرنالہ مسجد نبوی میں گرا کرتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسکے بارے میں شکائیت کی۔ انہوں نے عوام کے مفاد میں اس پرنالہ کو اکھڑوا دیا۔ جب پرنالہ ہٹایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہیں تھے۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے قاضی کی عدالت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی نے اپنی عدالت میں طلب کیا۔ مدعی اور مدعا علیہ کے بیانات سننے کے بعد قاضی نے فیصلہ دیا کہ حضرت ابن عباسؓ کی غیر موجودگی میں پرنالہ اکھڑوانا جائز نہیں تھا۔ پرنالہ دوبارہ اپنی مقررہ جگہ پر نصب کر دیا جائے اور حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے پرنالہ نصب کریں۔ حضرت عمرؓ نے بلا چوں وچرا اس حکم کی تعمیل کی۔

سولہواں باب

1- طشت، شہد اور بال

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صاف اور شفاف طشت میں شہد ڈال کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ اصحاب ثلاثہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ شہد میں بال نظر آیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ طشت، یہ شہد اور بال اس میں کیا راز ہے؟

حضرت ابوبکر صدیق: اے اللہ کے رسولؐ! مومن کا دل اس طشت سے زیادہ روشن ہے۔ اس کا ایمان شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس ایمان کو دم واپسی تک سلامت لے جانا بال سے بھی باریک کام ہے۔

حضرت عمر فاروق: یا رسول اللہ: بادشاہت اس طشت سے زیادہ روشن ہے!

حکمرانی شہد سے زیادہ شیریں ہے..........!

عدل بال سے زیادہ باریک کام ہے..........!

حضرت عثمان غنی: یا رسول اللہ!

علم دین اس طشت سے زیادہ روشن ہے..........!

اس کا حصول شہد سے زیادہ شیریں ہے..........!

اس پر عمل کرنا بال سے زیادہ باریک کام ہے..........!

حضرت علیؓ: یا رسول اللہ!

مہمان طشت سے زیادہ روشن ہے..........!

مہمان کی خدمت میں شہد سے زیادہ شیرینی ہے..........!

مہمان کی دل نوازی بال سے بھی زیادہ باریک کام ہے.........!

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو اشارہ فرمایا کہ وہ بھی اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرما دیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ کے رسول!

"عورت کی حیا اس طشت سے زیادہ روشن ہے.........!

"اس کے چہرے کا نقاب شہد سے زیادہ شیریں ہے.........!

"اس کا نامحرم کی نگاہ سے بچنا بال سے زیادہ باریک ہے.........!

جبرئیل امین حاضر خدمت نبوی ہوئے اور عرض کرنے لگے

اے اللہ کے نبی!

"اللہ کی راہ اس طشت سے بڑھ کر روشن ہے!

"اس پر چلنا شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ ہے.........!

"اس پر آخر دم تک قائم رہنا بال سے زیادہ باریک ہے!

اسکے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور یہ وحی نازل ہوئی۔

اے اللہ کے رسول!

"بہشت اس طشت سے زیادہ شفاف اور روشن ہے.........!

"جنت کی نعمتیں شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ ہیں.........!

"جنت کو جانے والا راستہ بال سے بھی زیادہ باریک ہے.........!

سبحان اللہ! ایک ایک بول بے مثل اور بے مثال ہے۔

2-دریا کے نام خط

بندہ جب اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ بھی اپنے بندے پر خاص مہربان ہو جاتا ہے۔ اور

اپنی ساری مخلوقات کو اپنے بندے کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اور پھر دنیا کی کوئی چیز اس کے بندے سے سرتابی نہیں کرتی۔ حضرت شیخ سعدی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو چیتے پر سوار دیکھا جسکے ہاتھ میں ایک اژدہا کا کوڑا تھا۔ اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ مقام کس طرح حاصل ہوا؟ کہنے لگا یہ مقام اطاعت خداوندی سے حاصل ہوتا ہے۔

صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیش نظر اپنی زندگیوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے وقف کر دیا تھا اس لئے کائنات کا ذرہ ذرہ ان کا حکم مانتا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص نے جب مصر فتح کیا تو انہیں بتایا گیا کہ مصر کے لوگوں میں ایک رواج پایا جاتا ہے کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو وہ ایک حسین وجمیل دوشیزہ کو بہترین لباس اور زیور سے آراستہ کر کے دریائے نیل کے نام پر قربان کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص کو بہت دکھ ہوا۔ ابھی وہ مصر میں بطور گورنر موجود تھے کہ دریائے نیل خشک ہوگیا اور مصریوں نے دریا کے نام قربانی پیش کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب حضرت عمروؓ بن عاص کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مصریوں کو اس خلاف شرع حرکت سے روک دیا اور ان سے وعدہ کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب کو تمام حالات سے باخبر کیا جائے گا اگر انہوں نے اجازت دی تو تم قربانی کی رسم ادا کر لینا لیکن اگر روک دیا تو پھر ہرگز تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط موصول ہوا تو انہوں نے دو خطوط لکھے ایک گورنر مصر حضرت عمرو بن عاص کے نام اور دوسرا دریائے نیل کے نام۔ گورنر کے نام خط میں تحریر کیا کہ میرا دوسرا خط دریا کے نام ہے۔ مصریوں کو دریا کے کنارے جمع کر کے ان کی موجودگی میں میرا خط دریائے نیل کے سپرد کر دینا اور مصریوں کو بتا دینا کہ اگر ہمارے خلیفہ کا خط پا لینے کے باوجود دریائے نیل خشک رہا تو تمہیں قربانی پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔

آپ نے دریائے نیل کے نام تحریر فرمایا:

امیرالمؤمنین عمرؓ کی طرف سے دریائے نیل کے نام

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ پر درود و سلام کے بعد..........

لکھا تھا

"اے دریائے نیل اگر تو میرے اللہ کے حکم سے چلتا ہے تو میں عمر اللہ کا بندہ تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ چل اور اگر تو اپنی مرضی کا مالک ہے تو خیر نہ چل..........

جب مصریوں کی موجودگی میں امیرالمؤمنین کا خط دریا میں ڈالا گیا تو دریا میں پانی کی فراوانی ہوگئی۔ زمینیں شاداب ہوگئیں۔ لوگوں کے دلوں میں دین اسلام کیلئے سچی محبت پیدا ہوگئی اور وہ دھڑا دھڑ دین اسلام قبول کرنے لگے۔

ظلم و ستم پر مبنی وہ رسم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔

3-اے آگ ٹھنڈی ہو جا

آگ!..................بھڑکتی آگ!

شعلے برساتی آگ..........شعلے ہیں کہ آسمان کی خبر لاتے ہیں!

ہوا میں پرواز کرتے ہوئے طیور جھلس رہے ہیں..........

یہ آگ کس نے بھڑکائی ہے؟

ظالم و جابر حکمران نمرود نے..........

کس لئے بھڑکائی گئی؟

اللہ کے پاک نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جلانے کیلئے۔

کیا ایک انسان کو جلانے کیلئے اتنا بڑا الاؤ!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نمرود کو راہ راست دکھانے کیلئے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی دعوت کیلئے اپنی بھرپور

صلاحیتیں بروئے کار لا کر نمرود کو صراط مستقیم کی طرف بلایا لیکن وہ بدنصیب راہ راست پر نہ آیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے کی ضربوں سے اس کے جھوٹے خداؤں کو ریزہ ریزہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ سب بے بس اور جھوٹے ہیں اور جو اپنا تحفظ کرنے کے قابل نہیں وہ دوسروں کی کیا مدد کر سکتے ہیں تو بجائے حق و صداقت کو تسلیم کرنے کے اس نے اعلان کر دیا کہ اپنے خداؤں کا بدلہ لینے کیلئے ابراہیم کو آگ میں جلایا جائے گا۔ قریب کار نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ بابل کا ہر بالغ مرد لکڑیوں کا ایک گٹھا لائے گا اور اس طرح اس کاروائی میں شریک ہو کر اپنے معبودوں کی خوشنودی حاصل کرے گا۔

لکڑیوں کے انبار لگ گئے اور جب ان کو آگ لگائی گئی تو شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالنے کا مرحلہ آیا تو نمرود پریشان ہو گیا کیونکہ آگ کے نزدیک جانا تو ممکن ہی نہ رہا۔ نمرود اسی سوچ و بچار میں تھا کہ ابلیس لعین ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں نمودار ہوا اور نمرود کو منجنیق بنانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ نمرود نے ابلیس کے نقشہ پر منجنیق ایجاد کی۔ اس میں رکھ کر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جانے لگا تو اللہ تعالیٰ کے مقرب ملائکہ نے اللہ کے حضور عرض کی کہ ابراہیم علیہ السلام پر بہت مشکل وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اجازت دے دی کہ اگر ابراہیم ان کی امداد قبول کریں تو وہ جا کر ضرور دور کریں۔

حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم آپ کی مدد کیلئے آئے ہیں میرے ساتھ باد و باراں کا انتظام کرنے والا فرشتہ ہے اگر اجازت دیں تو یہ غرور کی اس آگ کو یہاں سے اڑا لے جائے اور پھر پانی برسا دے یا پھر مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے پر آپ کے اور آگ کے درمیان پھیلا دوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا جواب دیا؟

کیا انہوں نے ملائکہ کی مدد قبول کر لی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے وہ جانتے تھے کہ یہ امتحان ہے اس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی اعانت قبول کرنا انہیں پسند نہ آیا اور مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

فرمایا میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر بچانا چاہے گا تو وہ بھر پور اختیارات کا مالک ہے۔ اسے کسی کی مدد کی احتیاج نہیں۔

یہ تھا توکل............توکل کی ایک شاندار مثال

عقل پر عشق کی فتح۔ بقول اقبال

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

منجنیق نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کی طرف اچھال دیا............

اور اللہ نے

آگ کی طرف اپنا فرمان بھیج دیا............

''اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم علیہ السلام کیلئے سلامتی بن جا۔''

مخلوق اپنے خالق کا حکم کیونکر نہ مانے!

آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

سرخ' زرد اور نیلے شعلوں نے گلاب' چنبیلی اور گیندے کے پھولوں کا روپ دھار لیا۔

دھوئیں کی بدبو اور گھٹن روح پرور مہک میں تبدیل ہو گئی۔

کفار آپ کو آگ میں ڈال کر چین کی نیند سو گئے کہ صبح اٹھیں گے تو ان کے معبودان کے ساتھ گستاخی کرنے والے کا نام و نشان مٹ چکا ہوگا۔

بیدار ہوئے تو انکا یہ زعم باطل حسرت و یاس میں تبدیل ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ تھے۔ آج بھی زندہ ہیں

نام ونشان آگ بھڑکانے والوں کا مٹ گیا۔

4- جھکانا میرا کام تھا قبول کرنا تیرا!

حضرت جنید بغدادی ایک بڑے ولی کامل ہو گزرے ہیں۔ بغداد میں ہی قیام پذیر تھے۔ لوگ ان کو بے حد عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک روز آپ کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ بغداد میں ایک رنڈی کی دھوم مچی ہوئی ہے حسن و جمال ایسا ہے کہ جو ایک دفعہ ایک جھلک دیکھ لیتا ہے اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے اور اس کے قرب اور وصل کیلئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ جو شخص بھی ایک بار اسکی بارگاہ حسن میں حاضری کا شرف حاصل کر لیتا ہے گھر بار سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ وہ مخلوق خدا کے دین اور دنیا کو برباد کر رہی ہے۔

اللہ کے ولی کو یہ تذکرہ پریشان کر گیا۔ مخلوق خدا کی بربادی پر دل بے قرار ہو گیا۔ مجلس برخاست کی اور اپنا لوٹا ہاتھ میں لیا مصلے بغل میں دبایا اور بازار حسن کی راہ لی۔ جب اس بازار میں داخل ہوئے تو دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے لیکن آپ گرد و پیش سے بے نیاز اپنی لگن میں چلے جا رہے تھے اور آخر اس نازنین کے در پر جا پہنچے۔ جب اسکے پاس پہنچے تو وہ لوٹا اور جائے نماز والے بزرگ کو دیکھ کر حیران ہوئی اور طنزیہ لہجہ میں پوچھنے لگی:

رنڈی: ''آپ کہاں آ نکلے ہیں؟''

حضرت جنید: ''تمہارے ہی پاس آیا ہوں۔''

رنڈی: ''مجھ سے کیا غرض آن پڑی؟''

حضرت جنید: ''میں آج کی رات تمہارے ساتھ گذارنا چاہتا ہوں؟''

رنڈی: ''بھلا مجھے کیا اعتراض؟ میری رات کی قیمت جانتے ہیں؟''

حضرت جنید: ''میں بڑی سے بڑی رقم ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

رنڈی: ''حیران ہوتے ہوئے تو بس پھر میں حاضر ہوں۔''

حضرت جنید: ''میری ایک شرط ہے۔ وہ پہلے سن لو تمہیں آج کی رات میرے احکامات

کی تعمیل کرنا ہوگی۔"

رنڈی: "مجھے قبول ہے۔ جب آپ معاوضہ ادا کریں گے تو میں آپ کے احکامات کی تعمیل کیوں نہیں کروں گی۔"

حضرت جنید: "تو جاؤ۔ غسل کرو۔ صاف ستھرا اور پاک لباس پہن کر آؤ۔ رنڈی حیران تو ہوئی لیکن تعمیل کی۔ جب وہ نہا دھو کر صاف ستھرا لباس پہن کر آ گئی تو حضرت نے خود اسے وضو کرایا۔ جائے نماز بچھا کر اس پر کھڑے ہو کر رنڈی کو کہا تم بھی ایسا ہی کرنا جیسا میں کروں۔ وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوگئی جب آپ سجدہ میں گئے تو وہ بھی سجدہ میں چلی گئی۔ آپ نے نہایت گڑگڑا کر آہ وزاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔

"اے خالق کائنات! اے مالک ارض و سموات!
اے دلوں کے مالک! اے دلوں کو پھیرنے والے!
میرا کام اس گناہگار بندی کو تیرے حضور جھکانا تھا قبول کرنا تیرا کام ہے اللہ کی شان!

اللہ نے اسے قبول کرلیا اور سجدہ سے سر اٹھایا تو درجہ ولائت پا چکی تھی۔ میاں محمد صاحب نے خوب کہا ہے۔

مرد ملے تے درد ونجائے اوگن دے گن کردا
کامل مرد محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

5- جاؤ باپ کا سر کاٹ لاؤ

حضرت طلحہ بن براء بہت بلند مرتبہ صحابی رسول تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا۔ ہر وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے نقد جان کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے تیار رہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور وارفتگی عشق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لپٹ گئے۔ عالم بے تابی میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے ہاتھوں کے بوسے لئے جاتے تھے۔ اللہ کے رسول عشق و محبت کا یہ عالم دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ فرمایا:

رسول اللہؐ: ''طلحہ! میرے ساتھ اس درجہ محبت رکھتے ہو؟''

طلحہؓ: ''یا رسول اللہ! میں اپنے جذبۂ عشق کو بیان کرنے پر قادر نہیں البتہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کے مجھے آپ کی غلامی پر فخر ہے۔''

رسول اللہؐ: ''کیا واقعی؟''

طلحہؓ: ''یارسول اللہ! میں مدت العمر فرماں بردار اور اطاعت شعار رہنے کی یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں۔''

رسول اللہؐ: ''اگر ایسا ہے تو میرا حکم مانو گے؟''

طلحہؓ: ''بسر و چشم! ہر حکم یارسول اللہ!''

رسول اللہؐ: ''تو جاؤ اپنے باپ براء کا سر کاٹ کر لے آؤ؟''

یہ سنتے ہی تلوار بے نیام کی اور گھر کی طرف بھاگ نکلے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلدی آگے بڑھ کر روک لیا اور فرمایا:

رسول اللہؐ: ''طلحہ! تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ میں رشتہ کو توڑنے کیلئے نہیں آیا بلکہ جوڑنے کیلئے آیا ہوں۔''

6- کتا روٹی اٹھا کر لے گیا۔

حضرت خالد بن ولید اسلام کے ایک عظیم سپہ سالار ہو گزرے ہیں۔ ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے بیشمار فتوحات حاصل کیں۔ جہاں بھی گئے فتح و نصرت نے انکے قدم چومے۔ ایک مرتبہ کسی قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن قلعہ کسی طرح فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ آپ نے سخت ناکہ بندی کر رکھی تھی لیکن دشمن نے ہمت نہ ہاری۔

آپ کا خادم آپ کا کھانا خیمہ میں رکھ دیا کرتا تھا اور آپ نماز کی ادائیگی کے بعد کھانا کھا لیا کرتے تھے۔ ایک شام خیمہ میں تشریف لائے تو کھانا موجود نہ تھا۔ اس خیال سے خاموش ہو گئے کہ کھانا بچا نہ ہوگا۔ اگلے روز بھی ایسا ہی ہوا تو آپ نے ملازم سے پوچھا جس نے بتایا کہ اس نے دونوں روز کھانا خیمہ کے اندر رکھ دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید گہری سوچ میں غرق ہو گئے۔ پھر انہوں نے خادم کو فرمایا کہ اگلے روز کھانا رکھ کر چھپ کر دیکھنا کہ کھانا کون اٹھا کر لے جاتا ہے۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک کتا دوڑتا ہوا آیا اور کھانا اٹھا کر چل دیا۔ خادم اسکے پیچھے روانہ ہو گیا۔ آخر کار کتا شہر کی فصیل کے قریب پہنچ گیا اور ایک سوراخ سے شہر میں داخل ہو گیا۔ خادم نے واپس کر آ کر تمام واقعات گوش گذار کر دیئے۔ تفصیلات سن کر حضرت خالد بن ولید کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

خالد بن ولید نے اپنے منتخب جانثاروں کا ایک دستہ طلب کیا اور رات کے اندھیرے میں ان کو ساتھ لے کر اس سوراخ کی طرف روانہ ہو گئے۔ فوج کو تیار ہو کر شہر کے بڑے دروازہ کے سامنے پہنچ جانے کا حکم دے گئے تھے۔ کئی جانباز اس سوراخ میں سے شہر میں داخل ہو گئے اور سخت جنگ کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے باہر فوج بالکل تیار کھڑی تھی۔ مسلمان نعرے لگاتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے اور جنگ شروع ہو گئی۔ دشمن فوج پر اچانک افتاد پڑی تھی اسلئے قدم نہ جما سکی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

قارئین محترم! اللہ تعالیٰ کی نصرت کے انداز بھی نرالے ہیں۔ کس طرح اپنے مخلص بندوں کی مدد ایک کتے کے ذریعے فرما دی۔

ایک فارسی شعر ہے۔

چوں خدا خواہد کہ کار بکند
خود بخود اسباب را حرکت دیذ

(جب خالق ارض سموات کوئی کام انجام دینا چاہتے ہیں تو خود اسباب پیدا فرما دیتے ہیں)

غار کے منہ پر چٹان

پرانے زمانے کا قصہ ہے کہ تین آدمی اکٹھے سفر کر رہے تھے اچانک طوفان بادو باراں میں گھر گئے۔ شدید بارش اور طوفان سے بچنے کیلئے انہوں نے ایک قریبی غار میں پناہ لے لی۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس سے وہ سخت پریشان ہو گئے۔ بارش کی وجہ سے ایک بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی غار کے دہانہ پر آ کر جم گئی۔ چٹان اس قدر وزنی تھی کہ وہ تینوں مل کر اسے جنبش بھی نہ دے سکے۔ اب وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔

کچھ دیر بعد اس حادثہ کا اثر جب کم ہوا اور ان کے سوچنے کی صلاحیتیں بحال ہوگئیں تو باہم مشورہ کرنے لگے کہ انہیں باری باری اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ان میں سے ایک گویا ہوا:

''اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے اور میں پوری طرح ان کے حقوق ادا کیا کرتا تھا۔ میرے بچے بھی تھے لیکن میں اپنے والدین سے پہلے ان کو دودھ نہیں دیا کرتا تھا ایک روز مجھے گھر آنے میں دیر ہوگئی۔ میں نے فوراً دودھ نکالا اور ایک بڑا پیالہ بھر کے اپنے والدین کو پلانے کیلئے گیا۔ دیکھا تو دونوں کچھ کھائے پیے بغیر سو گئے تھے میں پیالہ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا تا کہ اچانک بیدار ہو کر وہ دودھ طلب کریں تو اٹھنے میں دیر نہ ہو جائے۔ وہ رات بھر سوتے رہے اور میں رات بھر دودھ کا پیالہ ہاتھ پر رکھے شدید سردی میں ان کے سرہانے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی میرا جسم سردی کی وجہ سے ٹھٹھر گیا۔ آخر کار وہ صبح بیدار ہوئے اور دودھ پیا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ میں رات بھر ان کے انتظار میں کھڑا رہا اور میرے بچوں نے کچھ نہ کھایا تو انہوں نے مجھے خوب دعائیں دیں۔

یا اللہ! اگر میرا یہ عمل تیری رضا کیلئے تھا تو اس مصیبت سے ہمیں نجات عطا فرما''۔

اس شخص کی دعا ختم ہوتے ہی تیسرا حصہ پتھر غار کے منہ سے کھسک گیا۔

دوسرا کہنے لگا:

''اے اللہ! میں اپنے چچا کی لڑکی پر فریفتہ تھا۔ میرے نفس نے مجھے بدکاری پر مجبور کیا لیکن تیرے خوف کی وجہ سے میں نے اس قبیح فعل سے اجتناب کیا۔ اگر میرا یہ فعل تیری رضا کیلئے تھا تو میں اسکا واسطہ دیتا ہوں کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما اس دعا کے فوراً بعد پتھر کچھ اور سرک گیا لیکن ابھی گذرنے کا راستہ نہیں بنا تھا۔

تیسرا کہنے لگا:

''اے اللہ! میرے پاس مال امانت رکھا گیا تھا۔ مالک نے جب واپسی کا مطالبہ کیا تو میں نے نہ صرف اصل رقم بلکہ اس پر منافع کی رقم بھی واپس کر دی۔ اگر میرا یہ عمل تیری رضا کیلئے تھا تو میں اسکا واسطہ دیتا ہوں کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔''

اس دعا کے بعد پتھر اتنا سرک گیا کہ اس میں سے گذرنے کا راستہ بن گیا اور وہ تینوں اس مصیبت سے چھٹکارہ پا گئے۔

8-بوتل میں سرکہ ہے

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے پر اس وقت بہت پیار آتا ہے جب وہ توبہ کرتا ہے اور جب وہ اپنی توبہ میں سچا ہوتا ہے تو خالق کائنات اس پر خصوصی کرم فرماتے ہیں۔

ایک آدمی شراب کی بوتل لئے مدینہ منورہ کی گلی میں جا رہا تھا۔ اچانک امیر المؤمنینِ حضرت عمر ابن خطاب سے اس کا آمنا سامنا ہوگیا۔ امیرالمؤمنین کو دیکھتے ہی نوجوان کا رنگ فق ہوگیا کیونکہ وہ دینی معاملات میں بہت سخت تھے۔ وہ ہاتھ میں کوڑا لئے مدینہ کی گلیوں میں پھرا کرتے تھے اور کسی کو بے راہ روی اختیار نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس نوجوان کے پاس تو شراب کی بوتل تھی۔ اس کی جان پر بن گئی۔ جلدی سے اس نے بوتل کو چادر میں چھپالیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظروں سے اس کا یہ عمل چھپا نہ رہ سکا اس لئے جب اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پہنچ کر سلام کرکے تیزی سے گذر جانا چاہا تو آپؓ نے اس کو روک کر پوچھ لیا:

حضرت عمرؓ: "جوان! یہ تمہاری بغل میں کیا ہے؟"

جوان: "(انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں) امیرالمؤمنین! یہ بوتل ہے"۔

حضرت عمرؓ: "بوتل میں کیا ہے؟"

جوان: "حضور! بوتل میں سرکہ ہے۔"

حضرت عمرؓ: "مجھے دکھاؤ!"

"(نوجوان نے انتہائی صدق دل سے اللہ کے حضور شراب نوشی سے توبہ کرتے ہوئے دعا کی)

"اے اللہ! مجھے رسوائی سے بچالے۔ مجھے امیرالمؤمنین کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ کرنا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی دعا قبول کرلی۔ جب امیرالمؤمنین نے بوتل دیکھی تو اس میں شراب کی بجائے سرکہ تھا۔ (سبحان اللہ)

9- آگ ہمارے دوست کو نہیں جلاتی

ایک آدمی بے حد کنجوس اور بدفطرت تھا جبکہ اس کی زوجہ نیک فطرت اور خدا ترس تھی۔ اس منحوس انسان نے اس پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ کسی فقیر کو کچھ نہ دے گی اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کو طلاق دے دے گا۔ مرد گھر پر موجود نہیں تھا کہ ایک فقیر نے آواز لگائی وہ عورت کھانا کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے روٹیاں اٹھا کر فقیر کو دے دیں۔ عین اس وقت اس کا خاوند آ گیا اور کہنے لگا: "کیا میں نے تجھے قسم نہیں دی تھی کہ خیرات نہ کرنا اور یہ نہیں کہا تھا کہ اگر ایسا کیا تو طلاق دے دوں گا؟"

عورت: "بیشک! تم نے کہا تھا لیکن اس نے اللہ کے نام پر مانگا تھا۔ میں کس طرح انکار کر دیتی؟"

اس مردود نے تنور گرم کر کے کہا: "تم اللہ کے نام پر اپنے آپکو اس تنور میں ڈال دو۔

عورت نے اپنا بہترین لباس پہنا اور تنور میں کود گئی۔ وہ تنور بند کر کے باہر چلا گیا تین دن کے بعد واپس آیا تو اللہ کی قدرت سے وہ بالکل سلامت تھی۔ (سبحان اللہ)

10- حقیقی سخاوت

ایک روز امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کی محفل میں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک شخص نے حاتم طائی کی سخاوت کا قصہ چھیڑ دیا۔ کہنے لگا حاتم طائی کی حویلی کے چار دروازے تھے۔ جس دروازے سے کوئی شخص داخل ہوتا انعام و اکرام لے کر جاتا۔ ایک شخص ایک دروازہ سے داخل ہوا تو حاتم طائی نے اس کی جھولی میں کچھ ڈال دیا۔ پھر دوسرے دروازہ سے چلا گیا۔ حاتم طائی نے ناراضگی کا اظہار کئے بغیر پھر اس کی جھولی میں کچھ ڈال دیا۔ اسی طرح اس نے چاروں دروازوں سے جا کر حاتم سے کچھ نہ کچھ وصول کیا اور حاتم نے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔

حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا:

اصل سخاوت یہ نہیں کہ آدمی کو بار بار مختلف دروازوں سے جا کر طلب کرنا پڑے بلکہ اصل سخاوت تو یہ ہے کہ ایک دروازہ سے ہی پہلی مرتبہ اس کا دامن بھر دیا جائے تا کہ دوبارہ اسے دست طلب دراز ہی نہ کرنا پڑے۔

11- صرف اللہ کی رضا

حضرت عبداللہ ابن سعد نے جب طرابلس کے قلعہ پر حملہ کیا تو حاکم قلعہ نے گھبرا کر روم کے بادشاہ کو کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے افریقہ کے حکمران جرجیر رومی کو اہل طرابلس کی مدد کا حکم جاری کیا جرجیر ایک لاکھ سے زائد فوج لے کر روانہ ہوا تو اس کی بیٹی بھی اسکے ساتھ تھی جو بہت بہادر اور جنگ جو تھی۔ بہادری کے ساتھ ساتھ وہ حسن و جمال کا پیکر بھی تھی۔ رومیوں میں اس کی رعنائیوں اور دلفریبیوں کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

رومیوں نے جب حضرت عبداللہ ابن سعد کی پیش کردہ شرائط کو منظور نہ کیا تو گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کئی روز جاری رہی تھی لیکن کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ آخر جرجیر نے اعلان کر دیا کہ جو بہادر اسلامی سپہ سالار حضرت عبداللہ ابن سعد کا سر کاٹ لائے گا اسے ایک لاکھ اشرفی نقد انعام دیا جائے گا اور میری بیٹی اس کے عقد میں دے دی جائے گی۔ رومی جو ان نقد انعام سے بھی زیادہ جرجیر کی بیٹی کیلئے جان کی بازی لگانے کیلئے تیار ہو گئے اور جنگ میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔

اسلامی افواج میں اس اعلان کی وجہ سے تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حضرت عبداللہ ابن سعد نے خوب سوچ سمجھ کر یہ اعلان کر دیا کہ جو بہادر رومی سردار جرجیر کا سر کاٹ لائے گا اسے ایک لاکھ اشرفی نقد انعام اور جرجیر کی بیٹی اور جرجیر کے علاقہ کی حکومت عطا کی جائے گی۔ اس اعلان سے اسلامی افواج میں بھی ایک نئے جوش و جذبہ کی لہر دوڑ گئی پھر اس قدر شدید جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے جرجیر کا سر کاٹ لیا اور اس کی حسین و جمیل بیٹی کو گرفتار کر لیا۔ جرجیر کے مارے جانے سے رومی سپاہ کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ شکست کھا گئی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے جرجیر کی بیٹی کو عام قیدیوں میں شامل کر دیا اور جب سپہ سالار افواج اسلامیہ نے اعلان کیا کہ جرجیر کا قاتل سامنے آئے اور انعام حاصل کرے تو حضرت عبداللہ ابن زبیر نے چپ سادھ لی جرجیر کی بیٹی ان کو خوب پہچانتی تھی۔ انہوں نے اسے گرفتار کیا تھا۔ آخر اس نے ہی سپہ سالار حضرت عبداللہ ابن سعد کو بتایا کہ میرے والد کو قتل کرنے کے بعد مجھے انہوں نے گرفتار کیا تھا۔ جب حضرت عبداللہ ابن سعد نے ان سے خاموشی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگے میں نے سب کچھ اللہ کی رضا کیلئے کیا ہے کسی مالی انعام یا لڑکی کے حصول کیلئے نہیں کیا اور اب بھی میں اپنے فیصلہ پر قائم ہوں۔ شہزادی اس اعلیٰ کردار کی جھلک دیکھ کر حیران رہ گئی کیونکہ اس نے تو حرص و ہوس میں ڈوبے ہوئے رومی ہی دیکھے تھے جب عبداللہ ابن زبیر کسی بھی

صورت میں انعام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو پوری تفصیلات کیساتھ مال غنیمت اور شہزادی کو امیرالمؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ انہوں نے تمام تفصیلات سے آگاہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیر کو یقین دلایا کہ انعام قبول کر لینے سے انکے اجر وثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اسکے بعد انہوں نے انعام قبول کر لیا۔

12-ٹوپی میں بال

خالد بن ولید اسلام کے ایک عظیم سپہ سالار ہوگذرے ہیں۔ انکی سپاہیانہ عظمتوں سے ان کے دشمن بھی انکار نہ کر سکے۔ وہ اسلام کے بہت بڑے فاتح تھے جس طرف رخ کر لیتے فتح وکامرانی ان کے قدم چومتی۔ دیر سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حالت کفر میں اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر تکالیف پہنچائیں صدق دل سے ایمان پالینے کے بعد انکا کفارہ ادا کرتے رہے۔ وہ تمام عمر فوجوں اور سامان حرب وضرب کی کثرت وقلت سے بے نیاز ہوکر لڑے۔ فتح وشکست کے خیال سے بے نیاز ہو کر نصرت خداوندی پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے سے کئی گنا بڑی حربی طاقتوں سے نبرد آزما ہوئے اور کبھی شکست کا منہ نہ دیکھا۔

ایک دفعہ عین میدان کارزار میں سر سے ٹوپی گر پڑی تو گھوڑے سے چھلانگ لگا کر ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھی گھوڑے پر سوار ہوئے اور مصروف پیکار ہوگئے آپ سپہ سالار تھے اکثر صحابہؓ کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ انکے خیال کے مطابق اگر اس دوران وہ مشرکین کے ہاتھوں مارے جاتے تو اسلامی لشکر کی شکست یقینی تھی۔ کسی نے امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام واقعہ سے باخبر کر دیا۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بلوا بھیجا۔ جب ان سے باز پرس کی گئی تو کہنے لگے۔

امیرالمؤمنین میری ساری کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز اس ٹوپی میں موجود ہے اسی لئے میں نے عین میدان کارزار میں اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر ٹوپی کو گھوڑوں کے پاؤں

تلے روندے جانے سے بچایا۔ پھر انہوں نے ٹوپی سے ایک بال نکال کر امیر المؤمنین کو دکھاتے ہوئے بتایا کہ یہ بال میرے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے اور میری ساری فتوحات اسی بال کی وجہ سے ہیں۔ میں یہ کس طرح گوارہ کر لیتا کہ وہ ٹوپی کفار کے گھوڑوں کے پاؤں میں روندی جائے جس میں اللہ کے رسول کا بال موجود ہے۔

امیر المؤمنین نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے ان کے ایمان کامل اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ کی تعریف کی۔

13- یہ خزانہ تو میں کئی سال سے دیکھ رہا ہوں

ابراہیم ادھم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کا شمار کاملین میں ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ولی تھے۔ اقلیم ولائت کی عطائیگی سے قبل بلخ کے تخت کی زینت تھے۔ دور شاہی میں ایسے مشاہدات نصیب ہوئے کہ تخت و تاج کو ٹھوکر مار کر راہ حق پر چل نکلے اور صرف اللہ کے ہو کر رہ گئے۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ قارئین کے پیش کیا جاتا ہے۔

بلخ کا بادشاہ ابراہیم ایک روز سیر و شکار کی غرض سے اپنی راجدھانی سے نکلا اور جنگل کی راہ لی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہمراہ تھی۔ امراء و وزراء تھے۔ منجھے ہوئے شکاری تھے۔ خدام تھے اور ضروری ساز و سامان تھا۔ شکار کھیلتے کھیلتے ایک ہرن نمودار ہوا۔ بادشاہ نے اپنا گھوڑا اسکے پیچھے ڈال دیا۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ بادشاہ کا گھوڑا بھی شاہی اصطبل کی زینت تھا۔ ہرن کو اوجھل نہ ہونے دیا اور مسلسل پیچھا کرتا چلا گیا۔ مصاحبین اور شکاری کہیں پیچھے رہ گئے۔ وہ بادشاہ کے راہوار کی گرد کو بھی نہ پاسکے۔ ہرن زمین پر قدم لگاتا اور پھر ہوا میں چوکڑی بھر کر دور نکل جاتا۔ آخر کار کوسوں دور وسیع علاقہ میں پھیلے ہوئے کھنڈرات میں ہرن داخل ہو کر غائب ہو گیا بادشاہ نے قدیم زمانہ کے یہ کھنڈرات پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ گھوڑے کو باندھ کر چرنے کیلئے چھوڑ دیا اور خود کھنڈرات میں داخل ہو گیا۔

بادشاہ کھنڈرات میں پھرتے پھراتے کہیں دور نکل گیا۔ اسے ایک زینہ نظر آیا وہ اس زینہ کے ذریعے نیچے اتر گیا۔ نیچے ایک تہہ خانہ تھا۔ اندھیرے تہہ خانے میں ہیرے جواہرات جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ انکی وجہ سے تہہ خانہ کے تاریک کمرہ میں اچھی خاصی روشنی ہورہی تھی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ تہہ خانہ زرو جواہر سے بھرا ہوا تھا۔ کسی پرانے بادشاہ کا خزانہ تھا۔ ابراہیم بیٹھ گیا اور ان جواہرات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ بادشاہ جو خود ایک بڑے خزانہ اور قیمتی زر و جواہر کا مالک تھا حرص میں ڈوب گیا۔ اسکے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہ خزانہ جلد اسکے محل میں منتقل ہو جائے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کھنڈرات سے باہر نکل آیا اس نے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا تاکہ انکی مدد سے خزانہ منتقل کیا جاسکے لیکن اسے کوئی بھی نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ اسکے کان میں کلہاڑا چلنے کی آواز آئی۔ قریب ہی کوئی شخص لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ بادشاہ نے سوچا لکڑہارے کے پاس باربرداری کیلئے ضرور کوئی جانور ہوگا۔ بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس لکڑہارے کے سر پر جا پہنچا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ بڑی مشکل سے کلہاڑا چلا رہا تھا۔ ابراہیم کو شاہی لباس میں دیکھ کر اس کا ہاتھ رک گیا اس نے بادشاہ کو سلام کیا۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا:

بادشاہ: بوڑھے! اس بڑھاپے میں اتنی مشقت کیوں کر رہے ہو؟

بوڑھا: "بادشاہ سلامت! مجھے اپنا پیٹ بھی تو پالنا ہے اللہ اور اسکے رسول کے فرمان کے مطابق بہترین کمائی ہاتھ کی محنت کی کمائی ہے۔"

بادشاہ: "تم ان لکڑیوں کو فروخت کرکے روزانہ کتنا کما لیتے ہو؟"

بوڑھا: بادشاہ سلامت! اللہ کا شکر ہے چار آٹھ آنے مل جاتے ہیں جن سے میری گذر بسر ہو جاتی ہے۔"

بادشاہ: "تم ایک کام کرو گے؟"

بوڑھا: ''حکم بادشاہ سلامت!''

بادشاہ: ''تم اپنے گدھے پر میرا کچھ سامان لاد کر محل پہنچا دو میں تمہیں لکڑیوں کی مزدوری سے کہیں زیادہ معاوضہ دوں گا۔''

بوڑھا: ''بادشاہ سلامت! مجھے کیا لے جانا ہوگا؟''

بادشاہ: ''ہیرے جواہرات۔ خزانہ!''

بوڑھا: ''کونسا خزانہ جو ان کھنڈرات میں ہے؟''

بادشاہ: ''کیا تم جانتے ہو کہ کھنڈرات میں اتنا بڑا خزانہ پڑا ہے؟''

بوڑھا: ''جی بادشاہ سلامت! میں نے وہ خزانہ دیکھا ہوا ہے آج سے نہیں پچاس سال سے میں اسے دیکھتا چلا آ رہا ہوں جب سے میں اس جنگل سے لکڑیاں کاٹ رہا ہوں۔''

بادشاہ: ''اور تم نے وہاں سے کچھ نہیں اٹھایا؟''

بوڑھا: ''نہیں بادشاہ سلامت! مجھے ضرورت ہی نہیں پڑی۔''

بادشاہ: ''تعجب ہے تم دن بھر محنت کرتے ہو اور آٹھ آنے کماتے ہو اور اتنے بڑے خزانے کو تم نے ہاتھ ہی نہیں لگایا۔''

بوڑھا: ''بادشاہ سلامت! جب میری ضرورت اللہ کے فضل و کرم سے ہاتھ کی محنت اور رزق حلال سے پوری ہو رہی ہے تو میں اس مفت کے مال کا لالچ کیوں کروں۔ مجھے ہرگز اس کی ضرورت نہیں۔''

بوڑھے کا جواب سن کر بادشاہ دریائے حیرت میں غرق ہوگیا۔ اسکا سر جھک گیا۔ اس نے اپنے گریبان میں جھانکا تو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ بے اختیار اسکی زبان سے نکلا۔

''افسوس! صد افسوس۔ میں اتنی بڑی حکومت' مال و دولت اور بھرپور خزانوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی مزید مال و دولت کا حرص اپنے دل میں لئے بیٹھا ہوں جبکہ یہ بوڑھا جس

کی کل کائنات آٹھ آنے ہے اس خزانے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کیلئے بھی تیار نہیں۔ خدا کی قسم یہ لکڑہارا بادشاہ ہے اور میں ایک حقیر بھکاری۔ یہ اقلیم صبر و توکل کا شہنشاہ ہے

اور میں

حرص و ہوس کا ادنیٰ غلام

نہیں! ہرگز نہیں! اب ایسا نہیں ہوگا

مجھے نہیں چاہیے یہ خزانہ۔ مجھے دولت حکومت کچھ بھی نہیں چاہیے۔

یہ سب فریب ہے۔ دھوکہ ہے۔

افسوس

میں اتنی مدت اس دنیا کے فریب میں مبتلا رہا..........

اور پھر بلخ کا تاج دار ابراہیم ادھم گدڑی پہنے جنگلوں پہاڑوں صحراؤں میں اللہ کی قدوسیت کے ترانے گاتے نظر آنے لگے۔ پورے اطمینان قلب کیساتھ..........اور پھر مقبول بارگاہ صمدیت..........

14- چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

حجاج بن یوسف ثقفی..........مغلوب الغضب.....ظالم و جابر

تاریخ اسلام کے صفحات پر ایک بدنما داغ۔

حضرت سعد ابن جبیر نے حجاج کی بداعمالیوں پر کڑی تنقید کی۔ وہ ایک مشہور عالم دین اور تابعی تھے۔ حجاج نے انکو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ جب ان کو گرفتار کر کے حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو انکے درمیان جو مکالمہ ہوا اس کا ایک ایک حرف انکی جرأت ایمانی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حجاج: ''تمہارا نام کیا ہے؟''

حضرت سعید: ''سعید میرا نام سعید ہے۔''

حجاج: ''تو کس کا بیٹا ہے؟''

حضرت سعید: ''جبیر کا بیٹا ہوں۔''

چونکہ دونوں نام معنوی لحاظ سے اچھے تھے سعید کے معنی نیک بخت اور جبیر کے معنی باخبر کے ہیں اس لئے حجاج سن کر چڑ گیا اور کہنے لگا:

حجاج: ''تمہارا نام سعید بن جبیر نہیں بلکہ توشقی بن کسیر ہے''

حضرت سعید: ''میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔''

حجاج: ''تو بھی بد بخت اور تیری والدہ بھی بد بخت۔''

حضرت سعید: ''غیب کا جاننے والا تو نہیں کوئی دوسرا ہے۔''

حجاج: ''دیکھ اب میں تجھے کس طرح جہنم رسید کرتا ہوں؟''

حضرت سعید: ''اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھے معبود بنالیتا۔''

حجاج: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟''

حضرت سعید: ''وہ رحمت کے نبیؐ تھے اور تمام دنیا کی طرف بہترین رحمت کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔''

حجاج: ''خلفاء کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟''

حضرت سعید: ''میں ان کا محافظ نہیں ہوں ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔''

حجاج: ''میں انہیں برا کہتا ہوں یا اچھا؟''

حضرت سعید: ''مجھے جس چیز کا علم نہیں اسکے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

حجاج: ''ان سب میں سے تیرے نزدیک پسندیدہ کون ہے؟''

حضرت سعید: ''جو سب سے زیادہ اللہ کو خوش رکھنے والا تھا۔''

حجاج: ''سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟

حضرت سعید: ''اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے۔''

حجاج: ''حضرت علیؓ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟''

حضرت سعید: ''میں جنت یا دوزخ میں جاؤں تو کچھ کہہ سکوں''

حجاج: ''میں قیامت کے روز کیسا آدمی ہونگا؟''

حضرت سعید: ''میں اس سے کم ہوں کہ غیب پہ مطلع کیا جاؤں''

حجاج: ''تم مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں رکھتے!''

حضرت سعید: ''میں نے جھوٹ بھی نہیں بولا۔''

حجاج: ''تو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟''

حضرت سعید: ''وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی کا بنا ہو اور قیامت میں جانا ہو اور دن رات دنیا کے فتنوں میں رہتا ہو۔''

حجاج: ''میں تو ہنستا ہوں۔''

حضرت سعید: ''اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں پر ہمیں بنایا ہے۔''

حجاج: ''میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔''

حضرت سعید: ''میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔''

حجاج: ''میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔''

حضرت سعید: ''اللہ پر کوئی بھی جرات نہیں کرسکتا جب تک کہ اپنا مرتبہ نہ دیکھ لے۔

حجاج: ''میں کیوں جرات نہیں کرسکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کیساتھ ہوں اور تو باغیوں کے ساتھ ہے۔''

حضرت سعید: ''میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود بھی پسند نہیں کرتا لیکن تقدیر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔''

حجاج: ''ہم امیر المؤمنین کیلئے جو کچھ جمع کرتے ہیں ان کو کیسا سمجھتے ہو؟''

حضرت سعید: ''میں نہیں جانتا تو کیا جمع کرتا ہے۔''

حجاج: ''تیرے لئے ہلاکت ہو۔''

حضرت سعید: ''ہلاکت اس کیلئے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج: ''بتا میں تجھے کس طرح قتل کروں؟''

حضرت سعید: ''جس طرح قتل ہونا اپنے لئے پسند کرتے ہو۔''

حجاج: ''کیا تجھے معاف کردوں؟''

حضرت سعید: ''معافی تو اللہ کے ہاں کی معافی ہے''

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ انکو قتل کردیا جائے جب حضرت سعید باہر لے جائے جا رہے تھے تو ہنس رہے تھے حجاج کو پتہ چلا تو پھر بلوالیا اور پوچھا:

حجاج: ''تو کیوں ہنسا؟''

حضرت سعید: ''تیری اللہ پر ہمت اور اللہ کے تجھ پر حلم سے۔''

حجاج: ''میں اسکو قتل کروا رہا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کیا۔''

حجاج جلاد کو اشارہ کرتا ہے کہ اسکی گردن اڑادی جائے۔

حضرت سعید: ''میں دو رکعت نفل ادا کرلوں۔''

سعید نے دو رکعت نفل پڑھے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔

حجاج: ''اس کا منہ قبلہ سے موڑ دو۔''

حضرت سعید: ''جدھر تم منہ پھیرو ادھر ہی خدا ہے۔''

حجاج: ''اوندھا ڈال دو۔''

حضرت سعید: ''فرمان خداوندی ہے: ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور پھر اسی میں سے تمہیں دوبارہ پیدا کرلیں گے۔

حجاج: ''(چڑ کر) اسے قتل کردو۔''

حضرت سعید: ''(کلمہ پڑھتے ہوئے) میں تجھے گواہ بناتا ہوں تو اسکو محفوظ رکھنا۔ قیامت کے روز تجھے ملوں گا تو لے لوں گا۔

اسکے بعد انکو شہید کر دیا گیا۔ جسم سے اتنا زیادہ خون نکلا کہ حجاج حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے طبیب کو بلا کر اسکی وضاحت طلب کی۔ طبیب کہنے لگا:

''موت کا نام سن کر اکثر لوگوں کا خون خشک ہو جاتا ہے اور جب انکی گردن کاٹی جاتی ہے تو بہت کم خون نکلتا ہے۔ اس شخص کے دل میں موت کا ہرگز کوئی خوف نہیں تھا اس لئے اتنا زیادہ خون نکلا۔''

انا للہ و انا الیہ راجعون

15- ''بہترین دعا''

احد کے دامن میں کارزار گرم ہونے والا ہے۔ مشرکین مکہ بدر کا قرض چکانے کیلئے بھرپور تیاریوں کے ساتھ آئے ہیں تین ہزار کا لشکر جرار کیل کانٹے سے لیس ہو کر احد کے میدان میں خیمہ زن ہو چکا ہے۔ اہل اسلام مدینہ سے روانہ ہوئے تو ان کی تعداد ایک ہزار تھی لیکن فتنہ باز عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو منافق ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اب اسلام کے متوالوں کی تعداد ھبل کے پجاریوں کے ایک چوتھائی سے بھی کم ہے لیکن انہیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ تعداد کی کمی بیشی سے بے نیاز ہو کر نصرت خداوندی پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔

اسلامی لشکر گاہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں اللہ کے دو سپاہی کھڑے محو گفتگو ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں وہ کون ہیں اور موضوع سخن کیا ہے؟ ان میں سے ایک حضرت سعد ابن ابی وقاص اور دوسرے حضرت عبداللہ ابن جحش ہیں۔ دونوں بلند پایہ صحابی ہیں۔ دونوں میں اس طرح گفتگو ہو رہی ہے:

حضرت عبداللہ ابن جحش: سعد بھائی! آج خوب زور کا رن پڑے گا۔ مشرکین مکہ خوب تیار

ہو کر آئے ہیں۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص: عبداللہ بھائی! اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے۔

حضرت عبداللہ: آؤ دعا کریں۔ پہلے آپ دعا کریں میں آمین کہوں گا پھر میں دعا کروں گا آپ آمین کہیے گا۔

حضرت سعد: عبداللہ بھائی! تم صحیح کہتے ہو۔ ہم اسطرح دعا کریں گے تو اللہ کے ہاں مقبول ہوگی۔

حضرت عبداللہ: سعد بھائی! اس مقبولیت کی گھڑی میں اللہ کے حضور دعا کیلئے ہاتھ اٹھاؤ۔

حضرت سعد: (دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے)

''اے اللہ! جب دشمن سے مقابلہ ہو تو میرے ساتھ جنگ کیلئے ایک طاقتور اور جنگ جو مد مقابل بھیجنا تا کہ تیری رضا کیلئے میں دل کھول کر اسکے ساتھ جنگ کروں۔ وہ بھی بہادری سے میرا خوب مقابلہ کرے۔ پھر تو مجھے اس پر غالب فرما دینا تا کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں اور اس کا لباس' زرہ اور ہتھیار میرے قبضہ میں آ جائیں۔''

جب حضرت سعد نے دعا ختم کی تو حضرت عبداللہ بن جحش نے اس پر آمین کہی۔

اب حضرت عبداللہ کی باری تھی انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اور یوں دعا کی:

''اے اللہ! میرے مقابلہ میں ایک طاقتور جنگ جو کافر بھیجنا جو فنون جنگ میں خوب مہارت رکھتا ہو۔ میں تیری رضا کیلئے اس سے جنگ کروں۔ وہ بھی میرے ساتھ خوب لڑے۔ پھر وہ مجھے بھی قتل کر دے۔ پھر وہ میرے ناک اور کان کاٹ ڈالے اور قیامت کے روز اسی حالت میں تیرے ساتھ ملاقات ہو۔ تو جب مجھ سے پوچھے کہ اے بندے) تیرے ناک اور کان کس جرم میں کاٹے گئے تو میں جواب عرض کروں:

''تیرے اور تیرے حبیب کے عشق میں'' تو تو فرمائے۔''اے میرے بندے تو سچ کہتا ہے۔''

جب دعا ختم ہوئی تو حضرت سعد ابن ابی وقاص نے آمین کہی۔ جنگ احد کے اختتام پر جب زخمیوں اور شہداء کو تلاش کیا گیا تو حضرت عبداللہ ابن جحش درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے اور ان کے کان اور ناک کاٹ لئے گئے تھے۔ انکی دعا پورے طور پر دربار خداوندی میں قبول کر لی گئی تھی۔ (سبحان اللہ)

حضرت سعد ابن ابی وقاص اکثر کہا کرتے تھے کہ عبداللہ بھائی کی دعا میری دعا سے بہت اچھی تھی۔

حضرت عبداللہ ابن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی کے لڑکے اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے تھے۔ دونوں ماموں بھانجا احد کے دامن میں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔

اللہ اللہ غلامان محمد کا مقام
رشک کرتی ہے وفا ان کی وفا داری پر

16- ''عشق نہیں حرص''

زبیدہ بغداد کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی شخص نے ملکہ زبیدہ سے اپنے عشق کا اعلان کر دیا۔ ملکہ نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر فوراً پیش کیا جائے۔ جب وہ شخص ملکہ زبیدہ کے سامنے لایا گیا تو ملکہ نے اسے پیش کش کی کہ ایک ہزار دینار لے لے اور میرے عشق سے دستبردار ہو جائے۔ اس نے یہ پیش کش قبول نہ کی۔ ملکہ نے قیمت بڑھا دی اور ایک ہزار کی بجائے دو ہزار دینار کر دیئے لیکن اس شخص نے قبول نہ کیا۔ ملکہ ہر مرتبہ قیمت بڑھاتی گئی اور وہ انکار پر قائم رہا لیکن جب قیمت دس ہزار دینار مقرر کی گئی تو راضی ہو گیا۔

ملکہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ جھوٹا ہے۔

محبت تو ایک لازوال جذبہ ہے جسے کسی بھی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا۔ عشق حقیقی سے کبھی کوئی دستبردار نہیں ہوتا۔ یہ شخص مکار ہے اسے حقیقی عشق نہیں بلکہ حرص ہے۔ اگر اسکے دل میں حقیقی عشق ہوتا تو یہ اسے کبھی سکوں کے عوض نیلام نہ کرتا۔

17- اسلام کا رشتہ یا خون کا رشتہ

قائد اعظم محمد علی جناح کی ایک ہی لڑکی تھی۔ والدہ کی وفات کی وجہ سے چونکہ لڑکی کو زیادہ عرصہ نانی کے پاس رہنے کا موقع ملا تھا اس لئے وہ مذہب اسلام سے برگشتہ ہو کر پارسی مذہب سے دلچسپی لینے لگی۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے پوری کوشش کی اور مشہور عالم دین مولانا شوکت علی کی خدمات بھی حاصل کیں لیکن وہ راہ راست پر نہ آئی بلکہ اس نے ایک پارسی سے شادی بھی کر لی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کو جب یہ خبر ملی تو انہوں نے اپنی اکلوتی لڑکی سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لئے۔ لڑکی کے دل میں یہ خام خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ قائد اعظم محمد علی جناح اسے قبول کر لیں گے لیکن یہ اس کی بھول تھی۔ قائد اعظم نے اسے حرف غلط کی طرح اپنی لغتِ زندگی سے خارج کر دیا۔

قائد اعظم ایک دفعہ لندن تشریف لے گئے یہ بھی وہاں مقیم تھی۔ استقبال کیلئے ائیر پورٹ چلی آئی۔ اسکا خیال تھا کہ مجھے دیکھ کر قائد اعظم محمد علی جناح جذبات سے مغلوب ہو جائیں گے لیکن یہ اسکی بھول تھی۔ آپ نے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور رستہ تبدیل کر کے دوسری طرف نکل گئے۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن قائد اعظم کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے کیونکہ اکلوتی لڑکی کو اسلام کی خاطر قربان کر کے انکے دل میں کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔

18- میں باوضو نہیں تھا

سلطان محمود غزنوی مسلمان حکمرانوں میں سے ایک قابل تعریف حکمران تھا۔ اسکے دل میں اسلام کی محبت تو تھی ہی وہ سچا عاشق رسول ؐ بھی تھا۔ اسکی زندگی کے کئی واقعات اس

حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ایاز نامی ایک مفلوک الحال شخص کو اس نے اپنا مصاحب بنالیا تھا۔ اپنے محل کے ایک حصے میں اس کو رہائش کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی شادی کا انتظام کیا۔ ایاز کے ایک بیٹے [illegible] سلطان محمود غزنوی [illegible] سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ اکثر سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کو جب اس سے کوئی کام ہوتا تو نام لے کر اسے پکارا کرتا تھا۔ ایک روز جب ایاز بھی موجود تھا سلطان محمود غزنوی نے اسے بلانا چاہا تو بجائے محمد کے او ایاز کے بیٹے کہہ کر بلایا۔

ایاز سوچنے لگا کہ اسکے بیٹے سے کوئی خطا ہوئی ہے جس کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی نے آج اسے پہلے سے مختلف انداز میں مخاطب کیا ہے۔ اپنے خیال کی تصدیق کیلئے اس نے دست بستہ عرض کی: ”عالم پناہ! کیا غلام زادے کے منہ سے آج کوئی بات خلاف مزاج شہنشاہ نکلی ہے؟“

سلطان محمود: ”ایاز! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟

ایاز: ”جہاں پناہ! پہلے تو آپ اسے اسکے نام ”محمد“ سے مخاطب کیا کرتے تھے آج آپ نے او ایاز کے بیٹے کہہ کر پکارا ہے۔ اس سے میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ کوئی بات شہنشاہ عالی وقار کے مزاج کے خلاف ہوئی ہے۔“

سلطان محمود: ایاز! ایسی کوئی بات نہیں۔ تم دل سے وہم دور کردو۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب میں تمہارے بیٹے کو اس کے نام سے پکارا کرتا تھا باوضو ہوا کرتا تھا۔ جس وقت میں نے او ایاز کے بیٹے کہہ کر پکارا میں باوضو نہ تھا۔ میں نے اس عظیم ہستی حبیب خالق کائنات کا نام کبھی بغیر وضو لینا گوارا نہیں کیا۔

19- جرنیل کی پیٹھ پر کوڑے

سلطان محمود غزنوی کا ایک بڑا سالار فوج نشے کی ترنگ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ

لڑکھڑاتا ہوا بازار سے گذر رہا تھا کہ شہر کے کوتوال کی نظر اس پر جا پڑی۔ مرتبے میں سالار فوج کوتوال سے بہت اونچا تھا لیکن شہر کے امن و امان کی بحالی اور اخلاقی اقدار کی دیکھ بھال چونکہ کوتوال کے فرائض میں شامل تھی اسلئے کوتوال نے سالار کو پکڑ لیا اور اسکی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش برسا دی۔ سالار کا نشہ ہرن ہوگیا اور اس نے کوتوال کے ہاتھوں پٹنا محسوس کر لیا لیکن صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ جب کوتوال نے سالار کو چھوڑا تو وہ خاموشی سے اپنے گھر چلا گیا۔

سلطان محمود باخبر حکمران تھا۔ اسے اس واقعہ کی خبر مل گئی۔ اگلے روز وہ دربار میں اپنے جرنیل کا منتظر تھا لیکن وہ شرمندگی کی وجہ سے حاضر نہ ہوا۔ سلطان محمود نے اسے گھر سے بلوایا اور دربار عام میں اسکی پشت ننگی کر کے کوڑوں کے نشانات دیکھ کر محظوظ ہوا۔ کوتوال کی تعریف کی اور جرنیل کو مخاطب کر کے فرمایا "مجھے توقع ہے کہ آئندہ تم تعلیمات اسلامی کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرو گے۔"

20- پھٹا پرانا لباس

سلطان محمود غزنوی بادشاہ تھا............اور

ایاز ایک غریب مفلوک الحال انسان

بس! دل آنے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کو ایاز اس حالت میں ملا کہ اسکے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ بھوک سے نڈھال تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی نظر اس پر پڑی تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ سلطان کی مردم شناس نظروں نے بھوک سے نڈھال اس شخص کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیا۔ اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو محل میں پہنچا دیا جائے۔

سلطان محمود غزنوی نے ایاز کو اپنے محل میں رہائش کی جگہ دے دی۔ اس کیلئے طرح طرح کے خوبصورت لباس تیار کروائے۔ ایاز کو جب سازگار ماحول میسر آیا تو اسکا رنگ و

روپ خوب نکھرا۔ وہ اکثر و بیشتر بادشاہ کے حضور حاضر رہتا۔ محمود غزنوی کی عنایات میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔

کچھ عرصہ گذرنے کے بعد محل کے خدام نے سلطان محمود غزنوی کو شکایت پیش کی کہ ایاز دن میں ایک مرتبہ ضرور اپنی رہائش گاہ پر جا کر ایک صندوق کھولتا ہے اور اس میں موجود کسی چیز کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ اس نے صندوق میں زر و جواہر جمع کر رکھے ہیں جنہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

سلطان محمود کو ایاز کی ظاہری قناعت اور بے فکری دیکھ کر اس بات پر یقین نہ آیا کہ ایاز نے کوئی خزانہ جمع کر رکھا ہوگا۔ خدام کے بار بار تذکرہ کرنے سے سلطان محمود کے تجسس میں اضافہ ہوتا گیا اور آخر ایک روز اس نے ایاز سے پوچھ ہی لیا۔

سلطان: "ایاز! تمہارا کیا حال ہے؟"

ایاز: "سلطان ذی وقار! آپ کی عنایات خسروانہ سے غلام بے حد خوش و خرم ہے اور شہنشاہ کی درازئ عمر کی ہر وقت دعائیں کرتا رہتا ہے۔"

سلطان: "(ایاز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) ایاز! آج ما بدولت تمہاری رہائش کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔"

ایاز: "شہنشاہ معظم! اس ناکارہ غلام کی اس قدر عزت افزائی!"

سلطان: "ہاں! تم چلو۔ ہم آ رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد سلطان محمود غزنوی خدام کے ساتھ محل کے اس حصہ میں جا پہنچا جو ایاز کو رہائش کیلئے عطا کیا گیا تھا۔ وہاں سامان عیش و نشاط کا نام و نشان نہ تھا۔ البتہ ایک کمرہ میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جو مقفل تھا۔ حاسد خوش ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس صندوق میں ایاز نے زر و جواہر جمع کر رکھا ہے۔ وہ خوشی سے بغلیں بجانے لگے اور کہنے لگے سلطان معظم یہی وہ صندوق ہے جس کو ایاز ہر روز کھول کر دیکھتا ہے اور پھر مقفل کر دیتا ہے۔

سلطان محمود: ''(ملائمت سے) ایاز! اس صندوق میں کیا ہے؟''

ایاز: ''(سر جھکاتے ہوئے) سلطان ذی وقار۔ اس صندوق میں......(اس سے آگے ایاز کچھ بول نہیں پاتا)''

خدام میں سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں۔ ایاز عالم پریشانی میں کبھی سلطان کی طرف اور کبھی خدام کی طرف نظر اٹھاتا ہے)

سلطان محمود: ''ایاز! اس صندوق کا قفل کھول دو۔''

ایاز بے حس و حرکت کھڑا رہ جاتا ہے لیکن بادشاہ کے دوبارہ حکم پر وہ صندوق کو کھول دیتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی عالم تجسس میں خود آگے بڑھ کر صندوق کا ڈھکن اٹھا دیتا ہے۔ حاسد جو صندوق میں آنکھیں چکا چوند کر دینے والے جواہرات کے برآمد ہونے کے منتظر تھے ایک پھٹا پرانا لباس دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

ہاں! اس صندوق میں سے پھٹا پرانا لباس ہی برآمد ہوا تھا۔ یہ وہ لباس تھا جو ایاز پہن کر محل میں داخل ہوا تھا۔ اس لباس کو دیکھ کر خدام بحر ندامت میں گھر گئے۔ سلطان محمود بحر تفکرات میں غوطہ زن ہوا اور ایاز............

ایاز کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جھلملانے لگے............

سلطان محمود: ''(انتہائی نرمی سے) ایاز! یہ کیا ہے؟''

ایاز: ''سلطان عالی شان! ایک پھٹا پرانا لباس ہے۔''

سلطان محمود: ''ہم حیران ہیں ایک پھٹے پرانے لباس کی اس درجہ حفاظت اور نگہداشت۔''

ایاز: ''عالم پناہ! یہ وہ لباس ہے جو یہ غلام پہن کر دربار عالیہ میں حاضر ہوا تھا۔ پھر سلطان معظم نے اس ناکارہ غلام کو لباس فاخرہ پہنا دیا۔ میں نے یہ لباس فاخرہ پہن لینے کے باوجود اس ناکارہ لباس کو اسلئے احتیاط سے رکھ لیا تھا کہ اگر کبھی یہ غلام آقا کی نظر سے گر جائے اور اسے لباس فاخرہ اتارنا پڑے تو اسکے پاس پہننے کیلئے کوئی تو لباس ہو۔''

سلطان محمود غزنوی: ''ایاز! تم میرے تصور سے کہیں زیادہ بلند ہو۔ مجھے اپنے مرتبہ کی قسم کبھی ایسا وقت نہیں آنے دوں گا کہ تمہیں یہ فاخرہ لباس اتار کر وہ بوسیدہ لباس دوبارہ پہننا پڑے۔''

ایاز: ''(آنسو بہاتے ہوئے) آقا! یہ آپ کا لطف و کرم ہے احسان عظیم ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔''

سلطان محمود: ''ایاز! ایک بات ابھی ہمارے دل میں کھٹک رہی ہے وہ یہ کہ تم ہر روز صندوق کھول کر اس لباس کو کیوں دیکھتے تھے۔''

ایاز: ''عالم پناہ! آپ کا غلام لباس فاخرہ پہن لینے کے باوجود اپنی اوقات کو نہیں بھولا۔ اسکی وجہ یہ لباس ہی ہے کیوں کہ آپ کا غلام ہر روز اس لباس کو دیکھ کر اپنے نفس کو یوں مخاطب کیا کرتا تھا۔

''ایاز تمہاری حقیقت اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں یہ تو تمہارے ولی نعمت سلطان معظم کی شفقت اور الطاف خسروانہ ہے کہ آج اس فاخرہ لباس کو زیب تن کئے ہوئے ہے۔''

21- منظر بدلتا ہے (سکے نچھاور)

سلطان محمود غزنوی ایک موقع پر خوشی کے عالم میں اپنے غلاموں پر سکے نچھاور کر رہے تھے۔ غلام سکے چھینے کیلئے ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے اور سکوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ بادشاہ اس منظر سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک بادشاہ کی نگاہ اٹھی تو تھوڑے فاصلے پر ایاز کھڑا نظر آیا۔ سکوں کی طرف اسکا کوئی دھیان نہیں تھا۔ محمود حیران رہ گیا اور اشارے سے ایاز کو قریب بلایا۔ ایاز سر جھکائے محمود کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

سلطان محمود غزنوی: ''ایاز! تم نہیں دیکھ رہے تھے کہ میں کیا کر رہا تھا؟''

ایاز: عالم پناہ! میں دیکھ رہا تھا میرے آقا اپنے غلاموں پر سکے نچھاور فرما رہے تھے۔''

سلطان محمود غزنوی: ''ایاز! کیا تمہیں ان سکوں کی طلب نہیں تھی کہ اس طرح الگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے؟''

ایاز: ''سلطان عالی وقار! آپ نے سچ فرمایا۔ واقعی مجھے سکوں کی طلب نہیں تھی بلکہ مجھے کسی اور چیز کی طلب تھی۔''

سلطان محمود غزنوی: ''(حیران ہوتے ہوئے) ایاز! تمہیں کس چیز کی طلب تھی؟''

ایاز: ''شہنشاہ مکرم! میں تو سکے پھینکنے والے ہاتھوں کا طالب ہوں۔''

ایاز کا یہ جذبہ فدائیت دیکھ کر محمود کے دل میں ایاز کی محبت اور قدر و منزلت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔

22- ''منظر بدلتا ہے'' (قیمتی پیالہ)

سلطان محمود غزنوی کے پاس ایک بہت قیمتی پیالہ تھا اس کی نفاست بے مثال تھی۔ سلطان محمود اسے بہت پسند کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس کے دل میں ایک عجیب خیال آیا۔ اس نے اپنے ایک غلام کو فرمایا کہ جاؤ یہ پیالہ لے جاؤ اور توڑ دو۔ غلام پریشان ہوگیا۔ وہ بادشاہ کا حکم بھی نہیں ٹال سکتا تھا اور قیمتی پیالہ بھی نہیں توڑ سکتا تھا۔ وہ کچھ دور جا کر پیالہ صحیح سلامت لے کر واپس آ گیا اور سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ بادشاہ نے کئی غلاموں کو حکم دیا لیکن سب کا ردعمل ایک جیسا تھا۔ آخر اس نے پیالہ ایاز کو دیا۔ ایاز نے کچھ دور جاکر پیالہ توڑ دیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بتایا کہ:

''آقا! آپ کے حکم کی تعمیل کردی گئی ہے۔''

سلطان محمود غزنوی نے پوچھا: ''ایاز! یہ بتاؤ جس پیالہ کو توڑنے کی کسی غلام کو ہمت نہ ہوئی تم نے کس طرح آسانی سے اسے توڑ ڈالا؟''

ایاز سر جھکا کر کہنے لگا: ''عالم پناہ! آپ کا فرمان میرے لئے ہر چیز سے قیمتی ہے یہاں تک کہ میری جان سے بھی۔ حکم دیجئے! ابھی اپنی گردن اتار کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں..... فرمان شاہی کے مقابلہ میں ایک پیالہ کا کیا مقام!''

سلطان محمود غزنوی یہ سن کر بہت خوش ہوا۔

23-داماد کو پھانسی

آؤ! آؤ! سنو اک داستاں

قصہ عدل و مساوات کا ہو بیاں

دین حق کیلئے سر کو خم کر دیا

اپنے داماد کا سر قلم کر دیا

نام احمد شہنشاہ تھا گجرات کا

حق نگر تھا وہ حق گو دھنی بات کا

ہندوستان کے جنوب میں ایک حکومت تھی۔ اس کا نام گجرات دکن تھا۔ آج سے کوئی چھ صدیاں قبل وہاں ایک حکمران تھا جس کا نام احمد شاہ تھا۔ وہ بے حد نیک' عادل اور مہربان تھا۔ اسکے نیک اعمال کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

ایک دفعہ والی گجرات احمد شاہ کے داماد کے ہاتھوں ایک ہندو مزدور مارا گیا۔ اس غریب مزدور کے ورثاء مارے مارے پھرتے تھے لیکن حکومت کے عہدہ دار شہزادے کو گرفتار کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ کسی طرح اس واقعہ کی خبر احمد شاہ والی گجرات کو ہوگئی۔ اس نے فوری طور پر قاتل کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے اور متعلقہ اہلکاروں کو ضروری کارروائی کی ہدایت کر دی۔ مقدمہ جب قاضی کے پاس پہنچا تو اس نے مقتول کے ورثاء پر خون بہا قبول کرنے کیلئے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ مقتول بے چارے مان گئے۔ قاضی نے ضروری کارروائی کرنے کے بعد مقدمہ منظوری کیلئے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

بادشاہ نے جب مقدمہ کی فائل کا مطالعہ کیا تو مطمئن نہ ہو سکا۔ اس نے مقتول کے ورثاء کو طلب کر لیا۔ ان کو پوری طرح اعتماد میں لے کر فیصلہ کے بارے میں ان کی رائے لی۔ غریب لوگ خوفزدہ تھے۔ منہ کو نہ کھولتے تھے لیکن بادشاہ نے انتہائی نرمی اور خلوص سے پتہ چلالیا کہ خون بہا قبول کرنے کیلئے ان پر دباؤ ڈالا گیا تھا۔ بادشاہ نے مقدمہ قاضی کو

واپس بھیج دیا اور عینی واقعات کے مطابق قانونی کارروائی کرنے کی ہدایت کر دی۔ بادشاہ نے اپنے فیصلہ میں تحریر کیا کہ امراء کے لئے خون بہا ادا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اور غریب مقتولین کے ورثاء کو خون بہا قبول کرنے کیلئے مجبور کیا جاتا رہا تو کمزوروں کے قتل کی راہ کھل جائے گی اور انصاف کے تقاضے پورے نہ ہو سکیں گے۔

عزیز و اقارب کو جب بادشاہ کی رائے کا علم ہوا تو بھاگے چلے آئے اور بادشاہ کو نرمی اختیار کرنے کے مشورے دینے لگے لیکن بادشاہ نے حق و صداقت کی راہ سے ہٹنا قبول نہ کیا۔ لوگوں نے بیٹی کے بیوہ ہو جانے کا احساس بھی دلایا لیکن بادشاہ کا ایک ہی جواب تھا کہ بیٹی کے سکھ چین کیلئے میں اپنے اللہ سے بغاوت نہیں کر سکتا۔ اسلامی قانون سے انحراف نہیں کر سکتا اور اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتا۔

بادشاہ کے سخت احکامات کی تعمیل میں قاضی نے مقدمہ کی دوبارہ سماعت کی۔ شہزادے کو قتل عمد کی قرار واقعی سزا دیتے ہوئے پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔ بادشاہ نے فوراً اس کی توثیق کر دی۔

شہزادے کو پھانسی دے دی گئی اور بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں شہزادے کی لاش ایک دن کیلئے پھانسی کے پھندے پر لٹکتی رہی۔

24- موت کے فیصلے زمین پر نہیں عرش پر ہوتے ہیں

اورنگ زیب عالمگیر محتاج تعارف نہیں۔ جب وہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھے تو راجپوتوں کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ سچے مومن تھے اور راجپوت جہانگیر اور شاہ جہان سے بہت زیادہ مراعات حاصل کرتے آ رہے تھے مالی بھی اور مذہبی بھی۔ یہاں تک کہ ان کی خوشنودی طبع کیلئے ایک دور میں گاؤکشی پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے یہ پابندی اٹھا دی۔ عید کے موقع پر جب مسلمانوں نے جگہ جگہ گائے کی قربانیاں دیں تو راجپوتوں نے برا منایا خاص طور پر ایک سرکردہ راجپوت سردار جسونت سنگھ نے گستاخانہ

کلمات بھی کہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو اسکی اطلاع مل گئی۔ وہ چاہتے تو جسونت سنگھ کو قرار واقعی سزا دے سکتے تھے لیکن انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

شاہی قلعہ میں اورنگ زیب عالمگیر نے دربار خاص طلب کیا۔ سلطنت کے مشہور اہل کاران کے علاوہ راجپوت سرداروں کو بھی دربار میں شرکت کی دعوت دی۔ ان میں جسونت سنگھ کا نام بھی شامل تھا۔ اس روز اورنگ زیب عالمگیر نے جو شیروانی پہننا تھی اس کے بٹن بہت سخت رکھوائے گئے تھے۔ دربار منعقد ہوا۔ ایک ایک کر کے امراءٔ وزراءٔ اور عمائدین سلطنت رخصت ہو گئے۔ دربار میں صرف جسونت سنگھ اور خادم خاص رہ گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے خادم کو بھی ہدایت کی تھی۔ بادشاہ نے خادم خاص کو بھی جانے کی اجازت دے دی اور حکم دیا کہ قلعہ کے تمام محافظین کو بھی کچھ دیر کیلئے فارغ کر دیا جائے۔ جب سب لوگ فارغ ہو کر چلے گئے تو اورنگ زیب نے جسونت کو اپنے قریب بلوایا۔ بادشاہ کے تخت کے سامنے ننگی تلوار پڑی تھی۔ تلوار دیکھ کر جسونت سنگھ لرز کر رہ گیا۔ اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

بادشاہ: "جسونت! تم کیسے ہو؟"

جسونت: "عالم پناہ! غلام شہنشاہ کی نظر خسروانہ کا طالب ہے۔"

بادشاہ: "جسونت! جاؤ قلعہ میں پھر کر دیکھو کوئی محافظ ہو تو بلا کر لاؤ۔"

جسونت: "(واپس آ کر) جہاں پناہ! قلعہ میں تو کوئی محافظ نہیں۔ اگر فرمان شاہی ہو تو غلام باہر جا کر غلامان دربار عالیہ کو طلب کرے۔"

بادشاہ: "نہیں جسونت! اس کی ضرورت نہیں۔ آؤ تم بیٹھ جاؤ۔"

جسونت فرمان شاہی کی تعمیل میں ایک نمالی مسند پر بیٹھ جاتا ہے لیکن دل خدشات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ بار بار نگاہیں تلوار کی طرف اٹھ جاتی ہیں لیکن اپنی کمزوری کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ اسے راجپوتی شان کے منافی سمجھتا ہے۔

بادشاہ: ''(شیروانی کے بٹن کھولنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے) جسونت! شیروانی کا یہ بٹن بہت سخت ہے۔ میں نے امکانی کوشش کرلی لیکن یہ نہیں کھل سکا تم آؤ اور اسے کھول دو۔ آج گرمی بہت زیادہ ہے۔''

جسونت ''(یہ سمجھتے ہوئے کہ جب میں قریب جاؤں گا بادشاہ تلوار اٹھا کر میری گردن اتار دے گا سخت تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن مجبور ہے آگے بڑھ کر بٹن کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے)

عالم پناہ! ''بٹن بہت سخت ہے۔''

بادشاہ: ''(تلوار اٹھا لیتا ہے۔ جسونت کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پہلے فرار ہوجانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن پھر اسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوئے اپنے دفاع کی تدبیریں سوچنے لگتا ہے)

''جسونت! یہ لو تلوار اور بٹن کاٹ ڈالو۔''

جسونت آگے بڑھ کر تلوار پکڑ لیتا ہے۔ ایک دفعہ اسکے ذہن میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ اس تلوار سے اورنگ زیب کا کام تمام کردے لیکن وہ ایسا نہیں کر پاتا۔ اسکی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ رعب شاہی اس پر غالب آ جاتا۔ آگے بڑھتا ہے اور بٹن کاٹ دیتا ہے)

اورنگ زیب عالمگیر: (اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ چہرے پر بے پناہ جلال ہے بپھرے ہوئے شیر کی طرح اسکی گرج سنائی دیتی ہے)

''جسونت!''

جسونت: ''عالم پناہ!''

بادشاہ: ''جسونت سنگھ!''

جسونت ''ظلِ سبحانی!''

بادشاہ: ''تم نے خود دیکھ لیا کہ قلعہ میں کوئی محافظ نہیں تھا۔ ننگی تلوار موجود تھی۔ تم

مجھے قتل کرنا چاہتے تھے پھر ایسا کیوں نہ کیا؟"

جسونت: "(جھک کر) جہاں پناہ!

عالمگیر: "بٹن کھولنے کے بہانے میں نے اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں دے دی تم نے کیوں نہ میرا گلہ گھونٹ ڈالا۔ پھر میں نے ننگی تلوار تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ اسکے باوجود تم مجھے قتل نہ کر سکے۔ کیوں؟

جسونت کیوں؟"

جسونت: "رحم! عالم پناہ رحم!"

بادشاہ: "جسونت! تم ناراض تھے۔ میری حکومت کے خلاف تھے مجھے قتل کرنا چاہتے تھے میں نے تمہیں اپنا ارادہ پورا کرنے کیلئے بہترین موقع فراہم کیا لیکن تم ایسا نہ کر سکے جانتے ہو ایسا کیوں ہوا؟"

جسونت: "(گڑگڑاتے ہوئے) غلام خطا کار ہے۔ رحم!

شہنشاہ عادل رحم!"

بادشاہ: "جسونت! ہم تمہاری بہادری کے معترف تھے۔ تمہیں صوبیداری کا اہل سمجھتے تھے۔ ہم فیصلہ کر چکے تھے کہ تمہیں جلد کسی صوبہ کی صوبیداری کا عہدہ عطا کریں گے۔ اسی دوران ہمیں پتہ چلا کہ ہمارا جانباز جسونت ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے انتظار کیا لیکن راجپوت کی تلوار بے نیام نہ ہوئی۔ ہم نے سوچا ہمارے بہادر کو موزوں موقعہ نہیں مل سکا۔ ہم نے موقع فراہم کر دیا تلوار تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی لیکن پھر بھی ہماری گردن محفوظ رہی۔ جسونت! سنو۔ زندگی اور موت نہ تمہارے ہاتھ ہے میں نہ میرے ہاتھ میں۔ زندگی اور موت کے فیصلے یہاں نہیں کہیں اور ہوتے ہیں۔"

جسونت! مجھے قسم ہے خالق ارض وسموات کی کہ

زندگی اور موت صرف اور صرف اسکے اختیار میں ہے جو خالق کائنات ہے۔

جسوت! گردن اٹھاؤ۔ ہم تمہیں نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ صوبیداری کے عہدہ پر بھی فائز کرتے ہیں۔.......''

25- شہنشاہ کی دوّنی

ملا احمد جیون اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے۔ جب اورنگ زیب عالمگیر تخت شاہی پر متمکن ہوئے تو اپنے استاد ملا احمد جیون کو خط لکھ کر امیٹھی سے بلوایا۔ جب ملا صاحب کو خطوط موصول ہوا تو وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ وہ اپنے شاگرد اورنگ زیب عالمگیر کو بھی مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے اور ان ہزاروں طلبہ کو بھی مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے جو علم دین کے اکتساب کیلئے فیض کے اس چشمہ پر جمع تھے۔ آخر کافی غور کے بعد ملا احمد جیون نے شہنشاہ کو لکھا کہ یہاں ہزاروں تشنگان علم دین اس عاجز سے رشتہ جوڑے ہوئے ہیں۔ ان پر علم کا دروازہ بند کردینا مجھے گوارہ نہیں۔ آپ کی سواری معذرت کے ساتھ واپس بھیج رہا ہوں۔ جب آؤں گا اپنی مرضی اور حالات کے مطابق آؤں گا اور اپنی سواری کا بندوبست کر لوں گا۔

دن گذرتے گئے۔ ایک روز اورنگ زیب عالمگیر نماز عصر کیلئے مسجد گئے تو ملا احمد جیون کو تالاب پر وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ بادشاہ نے اپنے شاہی وقار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تالاب پر ہی اپنے استاد کی خدمت میں حاضری دی اور استاد کے سامنے عقیدت کے اظہار کیلئے جھک گئے۔

شہنشاہیت کو فقر کے سامنے یوں جھکے دیکھ کر اہل دل کی آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو آ گئے۔ نماز کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے استاد کو اپنے ساتھ ہاتھی پر سوار کرلیا اور شاہی محل میں لے گئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ ملا احمد نے وہاں گذارا اور قیام شاہی محل میں ہی کیا۔ دہلی کا تاجدار سحر اور افطار اپنے استاد کے ساتھ ہی کرتا۔ ملا جیون جب رخصت ہوکر جانے لگے تو اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی خدمت میں ایک دوّنی بطور

نذرانہ پیش کی اور بتایا کہ یہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر اپنی دکن کی فتوحات میں ایسا مصروف ہوا کہ پچیس سال گذر گئے۔ بادشاہ سلامت دہلی واپس لوٹے تو دیگر امور سلطنت کے علاوہ وزیر سلطنت نے ملا احمد جیون کے بارے میں بتایا کہ ان کے پاس بہت مال و دولت جمع ہوگیا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر یہ سن کر دنگ رہ گیا۔ کیونکہ ملا احمد جیون تو ایک بوریہ نشین درویش تھے روپے پیسے کی انکی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ ملا احمد جیون شہنشاہ دہلی کی دعوت پر دہلی تشریف لے آئے۔ ملا احمد جیون پہلے کی طرح بالکل سادہ وضع قطع اور سادہ لباس میں تھے۔ بادشاہ کو ملا احمد جیون کے تموّل کے بارے میں تحقیق کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک روز ملا احمد جیون نے خود ہی سب کچھ بتا دیا کہ ان کے پاس اللہ کے فضل و کرم سے بہت مال و دولت جمع ہے اور یہ سب اس دوّنی کی کرامت ہے جو شہنشاہ نے پچیس سال قبل نذر کی تھی۔ میں نے اس سے کپاس کاشت کی تھی اس سے حاصل ہونے والی آمدنی میں اسی کاروبار میں لگا تا رہا اس میں ذاتی مصارف کیلئے میں نے ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ میں نے اسکو وقف قرار دے دیا تھا۔

اورنگ زیب یہ تفصیلات سن کر بے حد خوش اور مطمئن ہوگیا اس نے مسکرا کر کہا اگر ارشاد ہو تو اس دوّنی کی داستان استاد محترم کی خدمت میں عرض کروں۔ ملا جیون نے کہا بڑے شوق سے ارشاد فرمایئے۔

بادشاہ سلامت نے خواجہ سرا کے ذریعے سیٹھ اتم چند کو چاندنی چوک کی مسجد فتح پوری کی گلی کے مکان نمبر چار سے بلوا بھیجا۔ سیٹھ اتم رات کی طلبی سے سخت خوف زدہ ہوگیا اور لرزاں و ترساں شہنشاہ دہلی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ جب اس نے بادشاہ کے حضور قدموں میں جھکنا چاہا تو بادشاہ نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے منع کر دیا اور دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا گھبراؤ نہیں میں نے تمہیں اپنے استاد محترم کے حضور ایک رات کا

واقعہ بیان کرنے کیلئے بلایا ہے۔

اتم چند: ''(ہاتھ باندھتے ہوئے) عالم پناہ! ارشاد فرمایئے غلام حاضر ہے اور ہمہ تن گوش ہے۔''

اورنگ زیب عالمگیر ''اتم چند! میں آج سے پچیس سال پہلے کا ایک واقعہ تم سے سننا چاہتا ہوں اپنی یادداشت کو خوب کام میں لاکر جواب دو۔''

اتم چند: ''(سرخم کرتے ہوئے) جہاں پناہ! غلام ہر ممکن کوشش کرے گا کہ شہنشاہ کے حضور سچ سچ سب کچھ بیان کردے۔''

شہنشاہ دہلی: ''اتم چند! 1906ء کی بات ہے ایک رات شدید بارش ہو رہی تھے۔ تمہاری چھت ٹپکنے لگی تھی تم نے مکان کی کھڑکی کھولی تو کیا نظر آیا؟''

اتم چند: (چند لمحات غور کرنے کے بعد) ظل سبحانی! مجھے وہ رات اچھی طرح یاد آ گئی ہے۔ میرا مکان نیا تعمیر ہوا تھا ابھی اس کی لپائی نہیں ہوئی تھی کہ ایک رات شدید بارش برسنا شروع ہوئی۔ میری جوانی کے دن تھے چند روز قبل ہی میری شادی ہوئی تھی۔ چھت ٹپکنے لگی تو بہت بدمزگی پیدا ہوگئی۔ بارش اس قدر تیز تھی کہ چھت پر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ میں نے حالت اضطرار میں کھڑکی کھولی تو مجھے سامنے والے مکان کے شیڈ کے نیچے ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ میں اسے دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ شخص کون ہے جو رات کے اس لمحے شدید بارش میں یہاں کھڑا ہے۔ میرے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ کوئی چور اٹھائی گیرہ نہ ہو۔ میں نے ہمت کرکے اس سے پوچھ ہی لیا کہ اگر وہ مزدوری کرنا چاہتا ہے تو میری چھت بری طرح ٹپک رہی ہے۔ وہ شخص آمادہ ہوگیا۔ اس نے کئی گھنٹے انتہائی محنت اور جفاکشی سے کام کیا۔ اس دوران اذان کی آواز سنائی دینے لگی تو وہ یہ کہہ کر رخصت ہونے لگا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اور کام بھی ختم ہوگیا ہے۔ اس محبت اور مشقت کے پیش نظر میں اسے مزدوری تو زیادہ دینا چاہتا تھا لیکن گھر میں اس وقت صرف ایک دونی موجود تھی۔ میں نے

وہ دونی اس نیک مرد کو دینا چاہی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے بڑی منتوں سے اسے دونی دی اور اپنی دکان کا پتہ بتاتے ہوئے اسے تاکید کی کہ کل ضرور آ کر مزید رقم حاصل کرے۔

جہاں پناہ! ''وہ نیک آدمی بھی لوٹ کر نہ آیا۔ مجھے وہ رات اور اس نیک مرد کا کام بھلا کیسے بھول سکتا ہے!''

شہنشاہ دہلی نے اتم چند کو رخصت کر دیا۔ اور ادب و احترام سے مسکرا کر اپنے استاد کی طرف دیکھا۔ ملا احمد جیون صاحب حال بزرگ تھے سمجھ گئے کہ سیٹھ اتم چند کے ٹپکتے ہوئے چھت پر مٹی ڈالنے والے ہاتھ وہی ہیں جو دن بھر تلوار کے دستے پر جمے رہتے ہیں۔

ملا احمد جیون: ''(افراط محبت سے جھوم کر) سبحان اللہ! میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ دونی کوئی عام سکہ نہیں اسکے پیچھے کوئی بڑی طاقت ہے۔ اب کھلا کہ یہ سلطان ہند کی پسینے کی کمائی ہے۔''

اورنگ زیب عالمگیر: ''استاد محترم! جب سے غلام نے دہلی کے تخت پر قدم رکھا ہے رات کے دو گھنٹے اپنی روزی کمانے کیلئے وقف کر رکھے ہیں۔ ایک گھنٹہ قرآن مقدس کی کتابت کرتا ہوں اور ایک گھنٹہ ٹوپیاں بناتا ہوں۔ ہفتہ میں دو راتیں دہلی شہر میں گھوم پھر کر گذارتا ہوں لوگوں کے مال و دولت کی حفاظت بھی کرتا ہوں اور ضرورت مند لوگوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہوں۔ جس رات سیٹھ اتم چند کے ٹپکتے ہوئے مکان کی مرمت کی وہ رات بھیس بدل کر شہر میں کام کرنے کی رات تھی۔ ان کاموں سے بھی کچھ وقت بچا کر قرآن مقدس حفظ کرتا رہا۔ یہ رب ذوالجلال کا خاص فضل و کرم ہے کہ میں نے تخت نشینی کے بعد قرآن حفظ کر لیا۔''

26- نہ لمحہ پہلے نہ لمحہ پیچھے

ایک تھا بادشاہ............

وہ بڑا مغرور اور خودسر تھا............

ایک مرتبہ وہ اپنے ملک کی سیاحت کیلئے تیار ہوا......

خدام کو لباس پیش کرنے کا حکم دیا۔ جو لباس پیش کیا جاتا نخوت سے رد کر دیتا۔ بڑی چھان پھٹک کے بعد ایک جوڑا پسند کیا۔ اب سواری کیلئے گھوڑا طلب کیا۔ جو گھوڑا لایا جاتا واپس کر دیا جاتا۔ آخر حکم صادر ہوا کہ شاہی اصطبل کے تمام گھوڑے حاضر کیے جائیں۔

گھوڑے ایک قطار میں کھڑے کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک گھوڑا پسند کیا۔

بڑی تمکنت کے ساتھ سوار ہوا۔ تکبر سے گردن اکڑی ہوئی تھی۔ خدام کی ایک فوج ظفر موج ہمراہ روانہ ہوئی۔ راستے میں ایک شخص مفلوک الحال سامنے آ گیا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بادشاہ کو سلام کیا لیکن ظالم نے ذرا بھر التفات نہ کیا اور نہ سلام کا جواب دیا۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی۔ بادشاہ نے لگام چھڑانا چاہی لیکن اس شخص نے نہ چھوڑی اور کہنے لگا:

''اے بادشاہ! مجھے تیرے ساتھ ایک کام ہے!''

بادشاہ: ہٹ جاؤ! ابھی مجھے فرصت نہیں جب واپس آؤں گا تو تمہاری بات بھی سن لوں گا۔''

اجنبی: ''اے بادشاہ! مجھے جو کچھ کہنا ہے ابھی اور اسی وقت کہنا ہے۔''

بادشاہ: نادان! ایسی کون سے ضروری بات ہے جس کی وجہ سے تم مجھے پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہو۔''

اجنبی: ''اے بادشاہ! ایک نہایت راز کی بات ہے۔''

بادشاہ: ''(زچ ہو کر نہایت غصہ کے عالم میں) اچھا! جو کہنا ہے جلد کہہ ڈالو!''

اجنبی: ''اے بادشاہ! میں نے جو کچھ کہنا ہے کان میں کہنا ہے''

بادشاہ: ''(تلملاتے ہوئے اسکی طرف جھک کر) لو! جلد کہہ ڈالو''

اجنبی: ''اے بادشاہ! میں ملک الموت ہوں۔ تیری روح قبض کرنے کیلئے آیا ہوں۔''

غرور وتکبر کے پیکر کارواں رواں لرز اٹھتا ہے۔ چہرہ فق ہو جاتا ہے۔ زبان لڑکھڑانے لگتی ہے۔ عالم پریشانی میں کہتا ہے:

بادشاہ: ''اے ملک الموت! مجھے کچھ مہلت دے دو۔ میں گھر والوں کو مل لوں۔ کچھ انتظام کرلوں۔''

ملک الموت: نہیں! وقت ختم ہوا(بادشاہ کی روح قبض کرلیتا ہے اور بادشاہ بے جان ہوکر لکڑی کے ایک تختہ کی مانند گر جاتا ہے۔

شاہی لباس........... پیچھے رہ گئے

گھوڑے........... پیچھے رہ گئے

زرو جواہرات........... پیچھے رہ گئے

ساتھ کیا گیا؟

''صرف اعمال''!

27-اس پل پر یا اس پل پر

ملک شاہ سلجوقی ایک بڑا بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ اسکی افواج کسی جنگ میں فتح یاب ہوکر کامرانی کے نشہ میں ایک گاؤں کے قریب خیمہ زن ہوئیں۔ فوجیوں نے لوگوں کے مویشی پکڑ کر ذبح کر ڈالے اور ان کے گوشت سے خوب ضیافت اڑائی اور فتح کا جشن منایا۔ ان مویشیوں میں ایک بوڑھی بیوہ کی گائے بھی تھی۔ بڑھیا اور اس کے تین بچوں کی گذر بسر اس گائے کے دودھ پر تھی۔ دن ڈھلے جب گائے واپس نہ پہنچی تو بڑھیا پریشان ہوگئی۔ وہ لاٹھی ٹیکتی گائے کو تلاش کرنے کیلئے نکل کھڑی ہوئی۔ اسے ایک آدمی نے یہ افسوسناک خبر سنائی کہ اسکی گائے تو ملک شاہ کے سپاہیوں نے ذبح کرکے کھالی ہے۔ بڑھیا کو اس خبر سے بہت

صدمہ ہوا۔ وہ پریشان حال گھر لوٹ آئی۔ یہ رات بڑھیا پر بہت بھاری ثابت ہوئی۔ وہ مسلسل جاگتی رہی اور کروٹیں بدلتی رہی۔ طلوع سحر سے قبل وہ اپنے دل میں ایک فیصلہ کر چکی تھی۔ اذان کی آواز سن کر وہ اٹھی اور اللہ کے حضور سربسجود ہوگئی۔ نماز کے بعد وہ دیر تک دعا مانگتی رہی۔ وہ ملک شاہ سے ملاقات کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ اپنی لاٹھی لے کر گھر سے باہر آ گئی۔ وہ ایک پُل پر جا کر بیٹھ گئی جہاں سے بادشاہ کا گزر ہونے والا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے بادشاہ کی سواری نظر آ گئی۔ ملک شاہ گھوڑے پر سوار بڑھتا چلا آ رہا تھا بادشاہ کے محافظ ہٹو بچو کی آوازیں لگاتے آ رہے تھے۔ بڑھیا نے انکی پرواہ نہ کی اور پل پر ڈٹی رہی۔ ایک محافظ نے اسے سختی سے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن بڑھیا اس کے مقابلہ میں ڈٹ گئی۔ اس دوران ملک شاہ کی سواری قریب پہنچ گئی۔ بڑھیا نے انتہائی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک شاہ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ محافظ دستہ کے سپاہیوں نے درمیان میں حائل ہونے کی کوشش کی لیکن بادشاہ نے انہیں روک دیا اور قریب جا کر پوچھنے لگا:

ملک شاہ: ”اماں! کیا بات ہے۔ تم نے میرا راستہ کیوں روکا ہے؟“

بڑھیا: ”اے بادشاہ! کیا تو رعایا کے احوال کا محافظ نہیں ہے؟

ملک شاہ: ”اماں! بلاشبہ یہ میری ذمہ داری ہے!“

بڑھیا: ”پھر تو نے غفلت کیوں کی؟“

ملک شاہ: ”اماں! اگر ایسا ہوا ہے تو مجھے بہت افسوس ہے میں اپنی ذمہ داری نبھانے کیلئے تیار ہوں۔“

بڑھیا: ”کیا تو میرا انصاف کرے گا؟“

ملک شاہ: ”یقیناً کروں گا!“

بڑھیا: ”کہاں؟ اس پل پر یا اگلے پل پر!“

یہ سن کر بادشاہ آخرت کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور

بڑھیا کے سامنے جھک کر کہنے لگا:

ملک شاہ: ''اماں! اس پُل پر۔ یقیناً اس پل پر!

اگلے پل پر تو مجھے اپنا ہوش بھی نہیں ہوگا۔ خدا کیلئے اس پل پر انصاف طلب کرو تاکہ میں یہ بوجھ یہیں اپنے سر سے اتار دوں۔''

بڑھیا: ''تو بس! پھر میری گائے دے دو۔''

ملک شاہ: ''کون لے گیا تمہاری گائے؟''

بڑھیا: ''اپنی سپاہ سے پوچھ!''

بادشاہ نے اسی پل پر قیام کیا۔ بڑھیا کی گائے کے بارے میں تحقیقات کی گئیں تو حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ بادشاہ کو پتہ چلا کہ سپاہیوں نے فتوحات کی خوشی میں جشن منایا اور لوگوں کے جانوروں کے علاوہ بڑھیا بیوہ کی گائے بھی پکڑ کر ذبح کر ڈالی۔ بادشاہ نے ایسا کرنے والے سپاہیوں کا سخت مواخذہ کیا۔ آئندہ کیلئے سخت احکامات جاری کر دیئے کہ رعایا کے اموال پر بری نظر نہ ڈالی جائے۔ لوگوں کو انکے نقصانات کا معاوضہ دیا گیا۔

بادشاہ نے بڑھیا کی جرات ایمانی کی بار بار تعریف کی اور بڑھیا کو اسکے نقصان سے کئی گنا زیادہ معاوضہ ادا کیا۔

ملک شاہ سلجوقی کا سر جھکا ہوا تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کہہ رہا تھا:

''میں نے اس پل پر فیصلہ کر دیا تاکہ اگلے پُل پر مجھے بھی اسی طرح روک نہ لیا جائے اور کہا جائے کہ تو آگے نہیں جا سکتا کیونکہ تو نے مظلوم کی دادرسی نہ کی''۔

28- غلام اونٹنی پر سوار آقا مہار تھامے

اسلام نے زمانے کو جو سنہری اصول دیئے ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مساوات ہی کو لے لیجئے۔ شودر ہندو مذہب رکھتے ہوئے بھی مندر میں نہیں جا سکتا۔ حد تو یہ ہے کہ آنکھ بھر کر برہمن کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ اسلام کو لیجئے محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے۔

بندہ و آقا کا امتیاز ختم کر دیا ہے۔ اللہ کے بندوں نے ان اصولوں کو اپنایا بھی خوب دل و جان سے۔

اسلامی افواج نے یروشلم کو گھیرے میں لے رکھا تھا لیکن شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ شہر کے لوگ بھی محاصرہ سے تنگ آ چکے تھے۔ شہر کے بڑے پادری نے بتایا کہ اس شہر کے فاتح حکمران کا حلیہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس لئے مسلمان اپنے خلیفہ عمر ابن خطاب کو یہاں بلائیں اگر حلیہ مل گیا تو ہم شہر کا دروازہ کھول دیں گے۔ حضرت عمرو ابن عاص نے اس سلسلہ میں امیر المؤمنین عمر ابن خطاب کو خط لکھا جس کے جواب میں انہوں نے یروشلم آنا قبول کرلیا۔ دوسرے روز ہی وہ روانہ ہو گئے۔

لاکھوں مربع میل سطح ارضی کا فاتح اور حکمران کس شان سے ایک لمبے سفر پر روانہ ہوا؟ وہ فاتح اعظم جس نے قیصر و کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ سواری کیلئے اونٹ ساتھ لے لیا۔ رفاقت کیلئے ایک غلام ساتھ ہے۔ ایک چھاگل میں پانی ہے اور پوٹلی میں کھجوریں ہیں۔ غلام کے ساتھ یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ باری باری ایک ایک منزل اونٹ پر سوار ہونگے۔ خلیفہ اونٹ پر سوار ہوتا تو غلام اونٹ کی مہار تھام کر چلتا اور جب غلام سوار ہوتا تو آقا مہار تھام کر آگے چلتا۔ امیر المؤمنین کا لباس سادہ ہے جس پر پیوند بھی لگے ہوئے ہیں۔ فیصلہ کے مطابق آخری منزل میں غلام کی اونٹ پر سوار ہونے کی باری ہے۔ غلام خوشی خوشی اپنی باری آقا کو دینے کی پیشکش کرتا ہے لیکن آقا قبول نہیں کرتا۔ شہر کے لوگ مسلمانوں کے حکمران کے استقبال کیلئے شہر سے باہر کھڑے ہیں۔ وہ خیال کر رہے ہیں کہ فوج کا ایک دستہ ساتھ ہوگا۔ لنگر خانہ ہوگا۔ نوکر چاکر ہونگے۔ سامان اسلحہ کے اونٹ ہونگے۔ جب اسلامی افواج میں شور اٹھا کہ امیر المؤمنین تشریف لے آئے تو یروشلم والے دریائے حیرت میں غرق ہو گئے کہ ایک اونٹ چلا آ رہا ہے۔ نہ گھوڑے نہ جوڑے نہ نوکر نہ چاکر اور جب اونٹ قریب پہنچا اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مہار تھامے ہوئے شخص کو ملنا

اور شرعی آداب بجا لانا شروع کیا تو وہ اور زیادہ حیران رہ گئے۔ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں دل اسے قبول کرنے کیلئے آمادہ نہ تھے لیکن حقیقت کو جھٹلایا بھی تو نہیں جاسکتا تھا۔ امیرالمؤمنین عمرؓ جن کے خوف و دبدبہ سے ان کے بادشاہ لرزہ براندام تھے اونٹ کی مہار تھامے چلے آرہے تھے اور غلام اونٹ پر سوار تھا۔

انکے بڑے پادری نے حضرت عمرؓ کو ایک نظر بھر کر دیکھا اور حاکم شہر کو مشورہ دیا کہ شہر کے دروازے مسلمانوں کیلئے کھول دیئے جائیں۔ چنانچہ یروشلم مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا۔

29- موت وحیات کا مالک اللہ ہے

حضرت خالد بن ولید کے نام سے کون واقف نہیں۔ وہ اسلام کے ایک مایۂ ناز سپہ سالار تھے۔ روم و شام کے محلات میں ان کے نام سے ہی زلزلے طاری ہو جایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے سپہ سالاران کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ ملک شام میں حضرت خالدؓ فتوحات کا پرچم اڑاتے پیش قدمی کرتے بڑھے چلے جاتے تھے کہ راستہ میں قلعہ پڑا۔ قلعہ والے مسلمانوں کی آمد پر قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ چند دن اسی طرح گذر گئے۔

ایک روز اچانک قلعہ کا دروازہ کھل گیا اور سفید پرچم لہراتا ہوا شہر کے معززین پر مشتمل ایک وفد نمودار ہوا۔ وفد کے لوگ قلعہ والوں سے عہد کر کے آئے تھے کہ اگر باعزت شرائط صلح نہ کرواسکے تو واپس قلعہ میں نہیں لوٹیں گے بلکہ زہر پی کر اپنی زندگیوں کا خاتمہ کرلیں گے۔ اس مقصد کیلئے ایک انتہائی زوداثر زہر کی شیشی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

وفد جب اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید سے ملا اور زہر کھانے کے عزم اور عہد کا ذکر ان سے کیا تو حضرت خالد بن ولید نے ان سے معائنہ کیلئے زہر کی شیشی طلب کی۔ جب انہوں نے زہر کی شیشی حضرت خالد بن ولید کے سپرد کی تو ڈرتے ڈرتے انکو محتاط رہنے کی استدعا کی کیونکہ اس زہر کا محض ایک قطرہ بھی انسان کی جان لے سکتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید نے باتوں باتوں میں شیشی کا ڈھکنا کھول دیا۔ معززین قلعہ کے دل گھبرا گئے۔ حضرت خالد بن ولید نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر شیشی کو منہ لگا لیا اور چشم زدن میں خالی کر دیا۔ وفد کے لوگ اپنی نشستوں پر شل ہو کر رہ گئے انکے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور عالم اضطراب میں حضرت خالد بن ولید کے گرنے کا انتظار کرنے لگے لیکن جب کافی دیر تک کچھ بھی نہ ہوا تو حضرت خالد بن ولید نے ان کے اضطراب کو بھانپتے ہوئے فرمایا: معززین شہر! زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے جلا دینا آگ کی خصوصیت ہے لیکن جب اللہ چاہے۔ اسی طرح زہر میں زندگی کو ختم کرنے کی صلاحیت ہے لیکن اگر اللہ چاہے۔ یہی تمہارے اور ہمارے عقیدہ میں فرق ہے۔''

یہ سن کر وہ لوگ سچے دل سے ایمان لے آئے اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔

30- ظلم کا مزہ

ایران میں ساسانی خاندان نے کئی سو سال تک حکمرانی کی۔ ساسانی خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کیلئے ایک استاد رکھا تا کہ وہ اسے تعلیم دے اور آداب سکھائے۔ استاد بہت دانا اور قابل تھا اس نے بڑی توجہ سے اپنے شاگرد کو تعلیم دی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہزادہ علوم وفنون میں ہوشیار ہو گیا۔ جب استاد نے محسوس کیا کہ شہزادہ برے بھلے کی خوب تمیز کرنے لگا ہے تو اس نے ایک روز بلا وجہ اسے پیٹ ڈالا۔ شہزادے کے دل میں استاد کے خلاف غصہ پیدا ہو گیا لیکن وہ اسکا اظہار نہ کر سکا۔ اس نے اپنا غصہ دل میں چھپائے رکھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بادشاہ فوت ہو گیا اور شہزادہ بادشاہ بن بیٹھا۔ شہزادہ کے دل میں استاد کے خلاف ابھی تک مخاصمانہ جذبات موجود تھے اس نے ایک روز اپنے سابقہ استاد کو دربار میں بلوایا اور پوچھا:

بادشاہ: ''کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے ایک روز مجھے بلاوجہ سزا دی تھی؟''

استاد: ''(خوداعتمادی سے) ہاں! بادشاہ سلامت! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

بادشاہ: ''(غصے سے) تم نے مجھے بلاوجہ سزا کیوں دی تھی؟

استاد: ''(بادشاہ سلامت) میں نے ظلم کا مزہ چکھانے کیلئے آپ کو بلاوجہ سزا دی تھی۔''

بادشاہ: ''(حیران ہوکر) وہ کیوں؟''

استاد: ''بادشاہ سلامت! میں نے آپ کے علم و دانش اور فہم وشعور سے یہ اچھی طرح جان لیا تھا کہ اپنے باپ کے بعد آپ ایران کے تخت وتاج کے وارث بنیں گے اس لئے میں نے آپ کو بلاوجہ سزا دی۔''

بادشاہ: ''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ کیوں؟ تم نے ایسا کیوں کیا''؟

استاد: ''بادشاہ سلامت! جب بادشاہ اقتدار کے نشہ میں ذرا سی بات یا بلاوجہ لوگوں کو سخت سزائیں دیتے ہیں تو انہیں ان بے چارے لوگوں کے جذبات کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔ میں نے آپ کو بلاوجہ سزا اسلئے دی تھی کہ آپکے دل میں بلاوجہ سزا ملنے پر پیدا ہونے والے جذبات اور احساسات کا تجربہ ہو جائے اور آپ ایسا کرنے سے اجتناب کریں''

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اپنے استاد کو انعامات دے کر ادب و احترام سے الوداع کیا۔

31- تیسری روٹی کہاں ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ وہ آدمی آپ کے ہمراہ ہوگیا۔ کچھ دیر دونوں سفر کرتے رہے جب ایک دریا کے کنارے پر پہنچے تو کھانا کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔ انکے پاس تین روٹیاں تھیں۔ دونوں نے مل کر دو روٹیاں کھالیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دریا پر پانی پینے کیلئے چلے گئے۔ جب پانی پی کر واپس آئے تو دسترخوان خالی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

''تیسری روٹی کہاں گئی؟''

کہنے لگا: ''مجھے کچھ پتہ نہیں!''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاموش ہوگئے اور آگے چل پڑے۔ وہ پھر ساتھ چل پڑا کچھ دور گئے ہوں گے کہ بھوک محسوس ہوئی۔ آپ نے ایک ہرنی دیکھی جس کے ساتھ اسکے بچے بھی تھے۔ آپ نے ان میں سے ایک بچے کو اپنی طرف بلایا تو وہ دوڑا چلا آیا۔ آپ نے اسے ذبح کیا اور دونوں نے بھون کرمل کر کھایا۔ جہاں اس ہرنی کے بچے کی کھال اور ہڈیاں وغیرہ پڑی تھیں ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے اٹھو۔ وہ ہرنی کا بچہ زندہ ہوگیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساتھی کو فرمایا:

عیسیٰؑ: "(تم نے جو معجزہ دیکھا اسکی قدرت والے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ) روٹی کہاں گئی؟"

کہنے لگا: "مجھے کوئی خبر نہیں!"

پھر آگے چل پڑے۔ حضرت عیسیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پانی پر چلتے ہوئے اس طرح گذر گئے جس طرح لوگ خشکی پر چلتے ہیں۔ یہ معجزہ دکھانے کے بعد پھر اس سے سوال کیا:

"تیسری روٹی کس نے کھائی؟"

کہنے لگا: "مجھے کوئی علم نہیں!"

پھر چل پڑے تو ایک جنگل آ گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہاتھوں سے بہت ساری مٹی جمع کر لی اور فرمایا:

"اللہ کے حکم سے سونا بن جا"

مٹی سونا بن گئی!

آپ نے اسکے تین حصے کئے اور فرمایا:

ایک حصہ میرا' ایک حصہ تمہارا اور ایک حصہ اس شخص کا جس نے تیسری روٹی کھائی۔

یہ سن کر کہنے لگا: "وہ روٹی میں نے ہی کھائی تھی۔"

حضرت عیسیٰ نے وہ سارا سونا اس کو دیدیا اور خود آگے چل دیے۔ وہ سونے کی اتنی

بڑی مقدار کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا وہاں دو آدمی آ گئے۔ وہ اسے قتل کر کے سونا چھین لینا چاہتے تھے کہ اس نے ان دونوں کو اس میں شریک کر لیا۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے ایک ساتھی کو کھانا لینے کیلئے بازار بھیجا۔ جو آدمی کھانا لے کر آیا اس نے اس خیال سے کھانے میں زہر ملا دیا کہ وہ دونوں مر جائیں گے تو سارا سونا میرے قبضہ میں آ جائے گا۔ اس آدمی کو بازار بھیجنے کے بعد پیچھے رہ جانے والے دونوں ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ جونہی وہ کھانا لے کر آئے اسے قتل کر دیا جائے تا کہ اسے حصہ نہ دینا پڑے۔ جب وہ شخص کھانا لے کر آیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اور خود کھانا کھا کر مر گئے۔ سونا پڑے کا پڑا رہ گیا اور وہ تینوں مر گئے۔ حضرت عیسیٰؑ جب واپس لوٹے تو انکے ساتھ ان کے حواری بھی تھے۔ ان کو مخاطب کر کے فرمایا: ”یہ ہے دنیا اور اس کا انجام۔ اس سے بچو!“

32- کتوں نے چور پکڑ لئے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدائن سے شکایت موصول ہوئی کہ گورنر کی نااہلی کی وجہ سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ عوام کا دن کا چین اور رات کا سکون غارت ہو چکا ہے۔ چوری چکاری پورے عروج پر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدائن کا گورنر مقرر کر دیا اور انہیں فوراً وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ وہاں کونسی تیاری کی ضرورت تھی۔ نہ فوجی دستہ' نہ اونٹ' نہ گھوڑے' نہ لونڈی غلام۔ بس بوریا بستر اٹھایا اور چل دیئے۔

مدائن کے لوگوں کو اطلاع مل چکی تھی کہ ان کا نیا گورنر جلد آنے والا ہے۔ مدائن کے لوگ گورنر کے استقبال کیلئے شہر سے باہر جمع ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ نیا گورنر خوب سج دھج سے آتا ہوگا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر انہوں نے کوئی تھکا ماندہ مسافر خیال کیا اور ان سے گورنر کے قافلہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے کمال سادگی سے جواب دیا کہ امیرالمؤمنین نے انہیں ہی لوگوں کی خدمت کیلئے بھیجا ہے۔ مصنوعی چہروں اور ظاہری

سج دھج سے متاثر ہونے والوں نے یہ سن کر چہ مگوئیاں کرنا شروع کر دیں کی یہ شخص تو کسی طور پر بھی اس اہم عہدہ کا اہل نہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اہل کاروں نے رہائش کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا میرے لئے مسجد کا حجرہ کافی ہے اور ضرورت کی چند چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔

لوگ، بڑ بڑانے لگے............

بس! ہوچکی گورنری............

ادھر نوافل اور مراقبے ہونگے اُدھر چوروں کی بن آئے گی............

پہلی رات ہی شہر میں خوب چوریوں کی وارداتیں ہوئیں۔شہر میں کہرام مچ گیا۔آپ کے پاس شکایات کے ڈھیر لگ گئے۔عصر کی نماز کے بعد آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور انہیں ہدایت کی کہ آج رات گھروں کے دروازے کھلے رکھے جائیں اور لوگ سکون کی نیند سو جائیں کوئی گھر سے باہر نہ نکلے۔آپ نے یہ بھی اعلان کیا کہ گذشتہ رات چرایا جانے والا مال اسباب مالکوں کو لوٹانا بھی ان کی ذمہ داری ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گے۔لوگ گورنر کے اعلانات کو سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ دانشور انگشت بدنداں رہ گئے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ گورنر کے پاس ایسے کوئی ذرائع اور وسائل نہ تھے جن کی مدد سے وہ شہر میں چوریوں کا سدباب کرسکیں۔ چوروں نے خوشیاں منائیں کہ رات بھر خوب لوٹ مچے گی۔دروازے کھلے ملیں گے۔خوب کھل کھیلیں گے۔

عشاء کی نماز کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد سے باہر تشریف لائے۔گلی میں کھڑے ہوئے ایک کتے کو اشارہ کیا تو کتا دوڑا آیا اور سامنے آ کر دم ہلانے لگا۔آپ نے کتے کو یوں خطاب فرمایا:

”جاؤ! اور شہر کے تمام کتوں کو میرا حکم سنا دو کہ آج رات شہر میں تمہارا پہرہ ہوگا۔

آدھی رات کے بعد گلی میں جو آدمی نظر آئے اسے روک لو اور صبح تک ہلنے نہ دو۔ اگر کسی کے پاس سامان ہو تو وہ بھی روکے رکھو۔"

کتے نے شہر کے تمام کتوں کو حکم سنا دیا۔ چور سرگرم عمل ہو گئے۔ کتے ہوشیار ہو گئے۔ تمام چوروں کو مال مسروکہ کے ساتھ صبح تک پکڑے رکھا۔ اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو اس کو لہولہان کر دیا۔ آپ نے صبح شہر کا دورہ کیا تو تمام چوروں کو کتوں کی تحویل میں پایا۔

نماز فجر کے بعد لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا:

لوگو! دیکھ لو! تمہارا مال مسروکہ اور چور موجود ہیں۔ تمہارا خیال تھا کہ میں اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔ میرے کریم مولیٰ نے وہ کام جسے تم اتنا مشکل سمجھ رہے تھے شہر کے آوارہ کتوں سے کروا دیا۔ لوگ حیران رہ گئے اور نیک صورت پاک سیرت اور سادہ منش گورنر کی عظمتوں کے وہ سچے دل سے قائل ہو گئے۔

آپ نے چوروں کو کتوں سے آزاد کروایا۔ لوگوں کا مال واپس ہوا۔ پہلی چوریاں بھی برآمد کروالی گئیں۔ چور سچے دل سے توبہ کرنے لگے اور آئندہ کیلئے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا وعدہ کیا۔ آپ نے سب کو معاف فرما دیا کسی کو کوئی سزا نہ دی گئی۔ اسکے بعد مدائن میں مکمل امن و سکون قائم ہو گیا اور کوئی چوری کی واردات نہ ہوئی۔

شاعر نے خوب کہا ہے۔

خلوص دل سے جو اللہ کے آگے سر کو خم کر دے
یہ دیکھا ہے زمانہ اس کے آگے سر جھکاتا ہے

33-شیر پاؤں چاٹنے لگا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ نام تو کچھ اور تھا لیکن ایک مرتبہ بہت بھاری سامان اٹھائے جا رہے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: "کیا تو سفینہ ہے (ترجمہ) سفینہ بحری جہاز

کو کہتے ہیں۔ عاشق رسولؐ نے اعلان کر دیا کہ آئندہ مجھے اسی نام سے پکارا جائے۔

یہی حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی جنگل میں سے گذر رہے تھے کہ ناگاہ ایک شیر سامنے آ گیا۔ شیر نے انسان کو اپنے سامنے پایا تو حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

دم حرکت کرنے لگی..........جسم کے بال کھڑے ہو گئے۔

اگلی ٹانگیں آگے پھیلا دیں..........آنکھوں میں خون اتر آیا۔

چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ حضرت سفینہؓ نے اسے یوں مخاطب کیا

"اے شیر! کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہوں۔"

اللہ کے رسول کا اسم گرامی شیر کی سماعتوں کیساتھ کیا ٹکرایا کہ ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا۔

اکڑی ہوئی گردن ڈھیلی ہو گئی..........

آنکھوں میں اتری ہوئی درندگی ختم ہو گئی..........

دم دبا لی گئی..........

زمین پر چت لیٹ گیا..........

شیر پیٹ کے بل رینگتا ہوا حضرت سفینہؓ کے قریب پہنچا اور اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا اور قدموں کو چاٹنے لگا۔

وہ زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اگر آپ اللہ کے رسولؐ کے غلام ہیں تو یقین جانئے میں آپ کا غلام ہوں۔

شاعر نے خوب کہا ہے۔

؎ محمد کی غلامی سے ہی ملتا ہے یقیں جانو
خدا کا پیار اور منصب زمانے بھر میں عظمت کا

34-ماں کی دعا۔ ولائت کی ہوا

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ماں کی خدمت کے عوض ولائت ملی۔ آپ لوگوں

کو والدین اور خاص طور پر ماں کی خدمت کی تلقین فرمایا کرتے تھے کیونکہ انہیں معرفت الٰہی کا بلند مقام اسی کے بدلے میں ملا تھا۔

ایک روز ان کی ماں نے پینے کیلئے پانی طلب کیا۔ گھر میں پانی موجود نہیں تھا آپ نہر سے پانی لینے کیلئے بھاگے چلے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ والدہ سو چکی ہیں۔ پانی کا کٹورا بھرا اور ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے تا کہ والدہ پانی طلب کریں تو فوراً پیش کر دیں۔ پہلے کی طرح دیر نہ ہو جائے۔ سخت سردی تھی کٹورے میں پانی جم گیا اور کٹورا ہاتھ کے ساتھ چپک گیا۔ ماں بیدار ہوئیں تو یہ حالت دیکھ کر ان کو بہت دکھ ہوا۔ ماں نے پوچھا:

"بیٹا بایزید! تم نے ایسا کیوں کیا؟"

عرض کرنے لگے: "پہلے بھی مجھے نہر سے پانی لانے میں دیر ہوگئی تھی اور آپ سوگئیں اب میرے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ آپ پانی طلب کریں اور مجھے آ کر برتن میں سے نکال کر دینے میں دیر ہو جائے تو اچھا نہ ہوگا۔ اس لئے میں بھرا ہوا کٹورہ لے کر کھڑا رہا تا کہ جونہی آپ طلب کریں میں فوراً پیش کر دوں گا"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو والدہ کی خدمت کا یہ انداز اس قدر پسند آیا کہ ان پر اپنی معرفت کے دروازے کھول دیے۔

35- نماز نہیں چھوڑ سکتا ملازمت چھوڑ دونگا

نواب وقار الملک ابتداء میں حاکم ضلع کے پیش کار تھے۔

ظہر کی نماز کا وقت کچہری کے اوقات میں ہی ہوجایا کرتا تھا۔ نواب صاحب نماز کی بروقت باجماعت ادائیگی کیلئے بلا اجازت مسجد میں چلے جایا کرتے تھے۔ ضلع کا ڈپٹی کمشنر ایک سمجھ دار انگریز تھا۔ اس نے اس پر کبھی اعتراض نہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا تبادلہ ہوگیا اور اسکی جگہ دوسرا انگریز آ گیا۔ یہ تیز مزاج بھی تھا اور اس میں رواداری کی بھی کمی تھی۔ نواب وقار الملک جب بلا اجازت نماز ظہر کی ادائیگی کیلئے مسجد میں چلے گئے تو واپسی پر اس

نے اعتراض کر دیا اور سخت باز پرس کی۔ نواب صاحب نے فرمایا:

نواب صاحب: ''نماز اللہ کا حکم ہے میں اس کو ترک نہیں کر سکتا۔''

ڈپٹی کمشنر: ''ملازمت کے بھی آداب اور تقاضے ہیں جن پر پورا اترنا ہر ملازم کیلئے ضروری ہے۔''

نواب صاحب: ''میں ملازمت کے تقاضوں کو خوب جانتا ہوں اور میں نے ان میں کبھی کمی نہیں آنے دی۔''

ڈپٹی کمشنر: ''دفتری اوقات کی پابندی ضروری ہے ان اوقات میں کوئی ملازم دفتر نہیں چھوڑ سکتا۔''

نواب صاحب: ''کیا نماز کے لئے بھی؟''

ڈپٹی کمشنر: ''ہاں نماز کے لئے بھی!''

نواب صاحب: ''تو سن لو! مجھے ایسی ملازمت کی ضرورت نہیں جو مجھے نماز کی ادائیگی سے محروم کرے۔''

آپ فوراً ملازمت سے مستعفی ہوگئے اور بعد میں ڈپٹی کمشنر کی منت و سماجت کے باوجود اپنا استعفیٰ واپس نہ لیا۔

36- ''میں دس گنا منافع لوں گا''

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگ گندم کے ایک ایک دانے کو ترسنے لگے۔ اسی دوران حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لدے ہوئے بے شمار اونٹ غلہ لیکر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ امیر المؤمنین لوگوں کی فاقہ کشی سے بہت پریشان تھے۔ وہ ایک ذمہ دار حکمران تھے اس لئے عوام کیلئے غلے کی فراہمی کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلہ کی آمد کی خبر ہوئی تو فوراً ان کو پیغام بھیجا کہ سارے کا سارا غلہ دوگنا قیمت پر میرے ہاتھ فروخت کر دو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب بھیجا کہ وہ اپنا غلہ دس گنا منافع پر فروخت کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران رہ گئے کہ اتنا بڑا منافع دینے والا کہاں سے آ گیا۔ انہیں دکھ بھی ہوا کیونکہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس جواب کی امید نہ تھی۔

جب غلہ مدینہ منورہ میں پہنچ گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کھلے مقام پر غلہ کھول دیا اور مدینہ منورہ میں اعلان کروا دیا کہ سب لوگ آئیں اور غلہ لے جائیں۔ افراد خانہ کے مطابق ایک پیمانہ مقرر کر دیا گیا اور تمام غلہ مفت لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو خوش ہو گئے۔ اب انہیں پتہ چلا کہ عثمان غنی کس سے دس گنا منافع کا سودا کر چکے تھے۔ واقعی انہوں نے اپنے اعلان کے مطابق دس گنا منافع کما لیا تھا۔ یہ منافع تو اس مادی دنیا کا تھا۔ آخرت کا منافع تو حد و حساب سے زیادہ ہوگا۔

37- بہادر بیٹے کی بہادر ماں

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عبداللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ کے بھتیجا تھے۔ حضرت عبداللہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے۔ انہوں نے بھی یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا اور انہیں اہل حجاز نے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ آپ کئی سال تک عہدۂ خلافت پر متمکن رہے۔ عبدالملک بن مروان نے انکے خلاف حجاج بن یوسف ثقفی کو لشکر دے کر بھیجا۔ حجاج نے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ حضرت عبداللہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن انکے ساتھی ایک ایک کر کے ختم ہوتے چلے گئے۔ حجاج بہت ظالم شخص تھا وہ انکو زندہ گرفتار کر کے ظلم و ستم کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے آپ

کو گرفتاری پیش کرنے کا پیغام بھیجا اور وعدہ کیا کہ انکے ساتھ کریمانہ سلوک کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ اپنی والدہ اسماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

حضرت عبداللہؓ: ''امی حضور! حجاج نے صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ آپ کا کیا مشورہ ہے؟''

حضرت اسماءؓ: ''اسکا پیغام کیا ہے؟

حضرت عبداللہؓ: ''اس نے ہتھیار ڈالنے کی صورت میں کریمانہ سلوک کا وعدہ کیا ہے۔''

حضرت اسماءؓ: ''اسکے وعدوں پر ہرگز اعتبار نہ کرنا۔''

حضرت عبداللہؓ: ''اس کی باتوں پر اعتبار تو مجھے بھی نہیں ہے لیکن مجھے ایک بات کا ڈر ہے۔''

حضرت اسماء: ''کس بات کا؟''

حضرت عبداللہ: ''مرنے کے بعد وہ میری میت کی بے حرمتی کرے گا۔''

حضرت اسماء: ''بیٹا! ایک بات بتاؤ!''

حضرت عبداللہ: ''ارشاد امی حضور''

حضرت اسماء: ''کیا تم حق پر لڑ رہے ہو؟''

حضرت عبداللہ: ''امی میں حق پر ہوں!''

حضرت اسماء: ''اگر حق پر ہو تو حق پر ہی اپنی جان قربان کر دو اور فکر نہ کرو کہ مرنے کے بعد دشمن تمہاری میت کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ کبھی قصاب کو بکرا ذبح کرتے دیکھا ہے وہ بکرے کی الٹی کھال کھینچتا ہے۔ کبھی بکرے نے اس پر اعتراض کیا ہے؟''

قارئین! دیکھا آپ نے ماں کا حوصلہ!

کیوں نہ ہو؟ بیٹی کس کی ہیں؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جن کے پائے استقلال میں بڑے بڑے طوفان لغزش پیدا نہ کر سکے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حجاج نے اُن کی میت کی

بے حرمتی کی اور پھر سرِعام سولی پر لٹکا دیا اور حکم دیا کہ اسکی ماں کو لے آؤ اور بیٹے کی حالت دکھاؤ۔ حضرت اسماء نے جانے سے انکار کر دیا لیکن ان کو زبردستی لے جایا گیا۔ جب بیٹے کی لٹکی ہوئی لاش دیکھی تو فرمایا (بقول اقبال)

لاش بیٹے کی جو لٹکی دیکھی
منہ سے بے ساختہ نکلا یک بار
اب بھی منبر سے نہ اترا یہ خطیب
اب بھی گھوڑے سے نہ اترا یہ سوار

38-ابھی دلی دور ہے

ہنوز دلی دور است

خواجہ نظام الدین اولیاء ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ دہلی میں آپ کا فیض عام جاری تھا۔ آپ نے کئی بادشاہوں کا زمانہ پایا لیکن کبھی انتظامی امور میں مداخلت نہ کی البتہ اکثر بادشاہ ان کی بے پناہ مقبولیت سے خوف کا شکار رہتے تھے لیکن اللہ کے فضل و کرم سے کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہ سکا۔

سلطان غیاث الدین تغلق بھی آپ کا سخت مخالف تھا۔ خوشامدی لوگ اسے بھڑکایا کرتے تھے کہ سماع خلاف شرع ہے اور خواجہ صاحب اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس پر پابندی لگا دی جائے لیکن وہ خواجہ صاحب کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ بنگال کی مہم سے فتح یاب ہو کر واپس دلی آ رہا تھا۔ کامیابی اور کامرانی کے غرور میں کام کر گزرا جس کے کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اس نے راستہ سے ہی ایک حکم نامہ جاری کر دیا کہ میرے دلی داخل ہونے سے قبل خواجہ نظام الدین دلی چھوڑ کر چلے جائیں۔ جب یہ فرمان دہلی میں پہنچا تو خواجہ صاحب کے عقیدت مندوں میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ لوگ روتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور شاہی فرمان کے بارے میں

تشویش کا اظہار کرنے لگے۔ خواجہ صاحب پورے اطمینان سے لوگوں کی باتیں سنتے رہے۔ لوگوں نے جب انتہائی ادب و احترام سے عرض کیا کہ حضور! اب کیا ہوگا تو آپ نے زیر لب مسکرا کر فرمایا:

"ہنوز دلی دور است"

اللہ کی شان! غیاث الدین تغلق کیلئے پھر واقعی دلی دور ہوگئی اور اسے زندہ دلی پہنچنا نصیب نہ ہوا۔

جونا خان کو بادشاہ نے اپنا جانشین مقرر کر رکھا تھا جونا خان دلی سے پانچ میل باہر نکل کر بادشاہ کے استقبال کے لئے گیا۔ اس نے ایک خوبصورت لکڑی کا محل تیار کرایا اس میں بادشاہ کا استقبال کیا۔ چوبی محل گر جانے کی وجہ سے بادشاہ اس میں دب کر مرگیا۔ بعض مورخین نے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا ہے کہ جونا خان نے خود بادشاہ کو اپنے راستہ سے ہٹانے کیلئے یہ کام کیا۔ محل میں دانستہ ایسی خامی رکھ دی گئی تھی کہ اسے گرنا ہی تھا۔

اس روز سے یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی۔ "ہنوز دلی دور است"

39- صلوٰۃ ذریعۂ نجات

کوفہ میں ایک آدمی قلی کا کام کرتا تھا۔ وہ آدمی بڑا دیانت دار تھا۔ تاجر اس پر بھر پور اعتماد کرتے تھے اور وہ ان کا سامان لاتا لے جاتا تھا۔ کبھی کسی کے سامان میں کمی نہ ہوئی تھی۔ ایک دفعہ وہ بڑا قیمتی سامان لے کر جارہا تھا کہ راستہ میں اسے ایک شخص ملا۔ اس نے پوچھا: "تم کہاں جارہے ہو؟"

قلی نے جگہ کا نام بتایا تو وہ کہنے لگا: "مجھے بھی وہیں جانا ہے میں چل نہیں سکتا آپ مجھے اپنے خچر پر سوار کرلیں میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔ قلی نے اسے سوار کرلیا اور وہ روانہ ہوگئے کچھ دور چل کر وہ ایک دوراہے پر پہنچ گئے۔ ایک راستہ میدان میں سے جاتا تھا اور دوسرا جنگل میں سے۔ قلی نے میدان والے راستہ پر جانا چاہا تو وہ شخص کہنے لگا کہ جنگل

والا راستہ کچھ دشوار گذار ہے لیکن قریب بہت ہے۔ اسی راستہ سے چلتے ہیں۔ قلی نے بات مان لی اور وہ جنگل میں داخل ہوگئے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے جنگل گھنا دشوار گذار اور خطرناک ہوتا گیا۔ قلی بے چارہ پریشان ہوگیا لیکن دوسرے آدمی نے اسکی حوصلہ افزائی کی اور وہ آگے چلتے گئے کچھ دور جا کر راستہ ایک خوفناک مقام پر ختم ہوگیا۔ وہاں کئی گلے سڑے انسانی جسم پڑے ہوئے تھے۔ وہ شخص چھلانگ لگا کر خچر سے اتر گیا اور بغل سے خنجر نکال کر قلی پر وار کرنا چاہا۔

قلی نے بہت منت ساجت کی لیکن وہ ہرگز نہ مانا۔ جب وہ بے چارا بالکل مایوس ہوگیا تو کہنے لگا مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں دو رکعت نماز ادا کرلوں۔ وہ طنزیہ طور پر مسکرا کر کہنے لگا۔ ٹھیک ہے پڑھ لو۔ ان لوگوں نے بھی یہی خواہش کی تھی لیکن نماز نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔

قلی سر سجدہ میں رکھے اللہ سے مدد طلب کر رہا تھا۔ اس نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ایک نیزہ بردار سوار کو دیکھا جس نے ایک نیزہ کے وار سے اس ظالم کا خاتمہ کر دیا۔ وہ گھوڑا دوڑا کر نکل جانا چاہتا تھا کہ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا "آپ کون ہیں؟"

اس نے جواب دیا:

"میں اس آیت کا غلام ہوں جو تم نے پڑھی تھی۔"

40- جنگلی درندے نکل بھاگے

حضرت عقبہ بن نافع حضرت عمرو بن العاص مشہور صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھانجے تھے۔ انکی ولادت عہد رسالت کے آخری سالوں میں ہوئی۔ انکے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ انکو شرف صحابیت حاصل ہوا یا نہیں کیونکہ ان کی کمسنی کے دور میں ہی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تھا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش اور تربیت انتہائی پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ عین عالم شباب میں وہ جہاد کا شوق

دل میں بسا کر اپنے ماموں حضرت عمرو بن العاص کے پاس مصر چلے گئے جہاں وہ گورنر تھے۔

حضرت عمرو بن العاص نے ان کو اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل عسا کر افریقہ کا سپہ سالار مقرر کردیا تھا۔ انہوں نے اس دوران ایک شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا تاکہ سرکش بربروں کی شورشوں کی روک تھام کیلئے موثر انتظام کیا جاسکے نیز رومیوں کے بحری حملوں کا مؤثر دفاع ہوسکے۔ حضرت عقبہ نے جو جگہ شہر تعمیر کرنے کیلئے منتخب کی وہاں میلوں تک گھنا جنگل اور دلدلی علاقہ تھا جو حشرات الارض اور خونخوار درندوں کا مسکن تھا۔

حضرت عقبہ کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورہ دیا کہ ایسے گھنے جنگل اور دلدلی علاقہ میں شہر تعمیر نہ کیا جائے ورنہ سانپوں اور خونخوار درندوں کے باعث سخت نقصان ہوگا۔ انکے لشکر میں اٹھارہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے انہوں نے ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔

"الٰہی ہم پر اپنے فضل و کرم کا سایہ فرما اور ہمیں شہر آباد کرنے کی توفیق عطا فرما۔"

اس کے بعد حضرت عقبہ جنگل کے قریب جا کھڑے ہوئے اور یوں خطاب فرمایا:

"اے جنگلی درندو! اے سانپو! ہم اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ہم یہاں اقامت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر تم نے جنگل خالی نہ کیا تو ہم تمہیں ہلاک کرنے میں آزاد اور حق بجانب ہونگے۔"

اس کے بعد چشم فلک نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ تمام درندے اپنے بچوں کو اٹھائے جنگل سے بھاگ رہے ہیں۔ سانپ' بچھو اور دوسرے حشرات الارض بھی ان کے پیچھے جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام جنگل وحوش اور حشرات الارض سے خالی ہوگیا۔ اسکے بعد درخت کاٹ کے شہر کی بنیاد رکھ دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد چالیس برس تک اس علاقہ میں سانپ یا بچھو کا نام ونشان نہ ملتا تھا۔

وہاں جو شہر آباد کیا گیا وہ آج بھی "قیروان" کے نام سے موجود ہے۔

41- حاضر جوابی

خلیفہ ہارون الرشید خود بہت ذہین تھا اور ذہین لوگوں کی بہت قدر اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ ایک روز وہ اپنے ایک وزیر کے گھر چلا گیا۔ اُسے وزیر کا لڑکا بہت پسند آیا۔ وہ حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس کی جبیں روشن تھی اور چہرے سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ ہارون الرشید کو یقین ہو گیا کہ لڑکا بہت ہوشیار اور دانا ہوگا۔ اس نے لڑکے کو اپنے قریب بلا لیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔

ہارون الرشید: "ہمیں اپنے گھر میں دیکھ کر تم کیا محسوس کرتے ہو؟"

لڑکا: "اے امیر المؤمنین! خوشی مسرت اور فخر"

ہارون الرشید: "ہمارا گھر اچھا ہے یا تمہارا؟"

لڑکا: "امیر المؤمنین! اس وقت ہمارا؟"

ہارون الرشید: "کیوں۔ بھلا؟"

لڑکا: "اس لئے کہ آپ ہمارے گھر میں موجود ہیں۔"

ہارون الرشید یہ جواب سن کر بے حد محظوظ ہوا۔

اس نے.........

لڑکے کو پیار کیا اور گرانقدر انعام عطا فرمایا

42- ادلے کا بدلہ

مملکت حیرہ موجودہ شہر کوفہ کے قریب واقع تھی۔ دریائے دجلہ و فرات کا علاقہ بہت زرخیز تھا۔ حیرہ کے بادشاہ فیزن نے دجلہ و فرات کے درمیان ایک بیحد مضبوط اور خوبصورت محل تعمیر کیا تھا جس کا نام "الحضر" تھا فیزن نے ایک دفعہ فارس پر حملہ کیا جبکہ فارس کا بادشاہ

سابوردار الخلافہ سے باہر تھا۔اس نے سابور شاہ فارس کی بہن کو گرفتار کرلیا۔سابور واپس آیا تو اس نے حیرہ پر حملہ کردیا۔ فیزن الحضر میں پناہ گزین ہوگیا۔ سابور نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ قلعہ میں داخل نہ ہوسکا اور نہ ہی اسے منہدم کرسکا۔ چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔اسی دوران فیزن کی بیٹی نضیرہ نے سابور اور سابور نے اس کو دیکھ لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔نضیرہ نے باپ سے غداری کی اور سابور کو قلعہ نما محل کو منہدم کرنے کا راز بتا دیا۔سابور نے قلعہ فتح کرلیا۔ فیزن مارا گیا اور نضیرہ کو سابور ساتھ لے گیا۔

عین التمر پہنچ کر سابور نے نضیرہ کے ساتھ شب عروسی بسر کی۔ اگلی صبح جب اس نے نضیرہ کی مزاج پرسی کی تو وہ کہنے لگی مجھے رات صحیح طرح نیند نہ آسکی۔ جب شاہی سیج کا بغور مشاہدہ کیا گیا تو گلاب کی پنکھڑیوں کے ساتھ ایک سبز پتی بھی تھی۔نضیرہ اسے دیکھ کر کہنے لگی یہی پتی میری بے خوابی کا سبب ہے۔سابور اس کی نازک مزاجی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب نضیرہ سے پوچھا کہ تمہارے باپ کے محل میں تمہاری نگہداشت کس طرح کی جاتی تھی تو کہنے لگی صرف میرے بستر کی دیکھ بھال پر کئی خادمائیں مقرر تھیں۔ یہ سن کر سابور بدک گیا۔ کہنے لگا جو بدفطرت عورت اتنی زیادہ ناز برداری کرنے والے باپ سے غداری کرکے اس کی موت کا باعث بن سکتی ہے وہ میری وفادار کیونکر ہوسکتی ہے۔اس نے ایک سرکش اور منہ زور گھوڑے کی دم سے اسکی مینڈھیوں کو باندھ کر گھوڑا کھلے میدان میں دوڑا دوڑا کر اسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے۔

43-باب جبریل تک غار

یہ نورالدین زنگی کی خواب گاہ ہے.........

کون نورالدین زنگی؟

مصر کا بادشاہ!

عاشق مصطفیٰ۔ درویش صفت انسان!

سویا ہوا ہے لیکن چہرے پر بے پناہ سکون ہے............

ہلکی مسکراہٹ لبوں پر کھیل رہی ہے............

شائد کوئی خواب دیکھ رہا ہے! ابھی ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اب غائب ہوگئی۔

سچ ہے نور الدین گذشتہ رات نہایت پر مسرت خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے فرما رہے ہیں کہ مجھے ان کی دستبرد سے بچاؤ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو آدمیوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جن کو نور الدین زنگی خواب میں دیکھ رہا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے چہرے پر جو مسرت نمودار ہوئی تھی ان دو منحوس افراد کے مکروہ چہرے دیکھ کر غائب ہوگئی اور چہرے سے تشویش ٹپکنے لگی۔

عاشق رسول نے فوج کا ایک دستہ ساتھ لیا اور نہایت تیزی سے یلغار کرتا ہوا مدینہ منورہ جا پہنچا۔ لمبی مسافت چند دنوں میں کاٹ کر رکھ دی۔

مدینہ منورہ پہنچ کر حاکم شہر کو طلب کیا اور رات شہر کے تمام بالغ مردوں کی دعوت کا وسیع انتظام کرنے کا حکم دیدیا۔ کھانا تیار ہوگیا۔ کھلے میدان میں دسترخوان بچھا دیئے گئے۔ نور الدین زنگی نے میزبانی کے فرائض خود سنبھال لئے۔ وہ بڑی تیزی سے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا اور بظاہر لوگوں سے ان کی خیر و عافیت پوچھ رہا تھا لیکن دراصل وہ ان دو منحوس افراد کو تلاش کرتا پھر رہا تھا جن کے چہرے خواب میں اس کو دکھا دیئے گئے تھے۔ دعوت ختم ہوگئی۔ لوگ چلے گئے وہ چہرے اسے کہیں نظر نہ آئے۔ نور الدین کی تشویش میں اضافہ ہوگیا۔ نور الدین نے حاکم شہر کو طلب کیا اور پوچھا:

نور الدین: "میں نے مدینہ منورہ کے تمام بالغ مردوں کی دعوت کا حکم دیا تھا!"

حاکم شہر: "سلطان عالی! حکم کی تعمیل کی گئی ہے۔"

نورالدین: ”کیا شہر کے تمام بالغ مرد شریک دعوت تھے؟“

حاکم شہر: ”بلاشبہ! سلطان عالی وقار۔“

نورالدین: ”نہیں! ایسا نہیں ہو سکا۔ کچھ دعوت میں شرکت کیلئے نہیں آئے۔“

حاکم شہر: ”(سوچتے ہوئے) شاہ معظم! سوائے دو درویشوں کے شہر کے تمام لوگ دعوت میں شریک ہوئے۔“

نورالدین: ”(خوشی سے) کہاں ہیں وہ درویش؟“

حاکم شہر: ”سلطان عالی! وہ گوشہ نشین درویش ہیں۔ شہر سے بقیع کے قریب جھونپڑی میں رہتے ہیں۔ باہر بہت کم نکلتے ہیں۔

نورالدین: ”(مسند سے اٹھتے ہوئے) مجھے جلد ان کے پاس لے چلو۔“

حاکم شہر: ”سلطان عالی! آپ ان درویشوں کے پاس جائیں گے!“

نورالدین: ”نیک بخت! وقت ضائع مت کرو۔ چلو!“

نورالدین زنگی حاکم شہر کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا ہے اور بغیر اطلاع کے جھونپڑی میں گھس جاتا ہے۔ درویش عالم پریشانی میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ نورالدین زنگی ایک ہی نظر میں پہچان جاتا ہے جب حاکم شہر نے انہیں بتاتا ہے کہ وہ مصر کے بادشاہ نورالدین زنگی کے سامنے کھڑے ہیں تو وہ گھبرا جاتے ہیں لیکن جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیتے ہیں اور بادشاہ کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

نورالدین: ”سوائے اللہ کی ذات کے کسی کے سامنے سر جھکانا درست نہیں۔ سر اٹھاؤ اور یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

درویش: ”سلطان عالی! ہم گنہگار لوگ ہیں۔ اللہ نے توبہ کی توفیق دی ہے۔ دنیا سے تعلقات توڑ کر اس گوشہ میں پڑے خالق کے حضور ہدیۂ عبودیت پیش کرتے ہیں۔“

نورالدین: ”تم جلد اپنے مکروہ عزائم کا پردہ چاک کر ڈالو ایسا نہ ہو کہ میرے ہاتھوں

سے صبر کا دامن چھوٹ جائے میں بلا تحقیق تشدد کا قائل نہیں۔"

درویش: "سلطان عالی! ہم بے قصور ہیں۔رحم کیا جائے۔"

سچ ہے کہ عادل حکمران کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بصیرت عطا کی ہوتی ہے۔نورالدین زنگی نے جھونپڑی کا بغور جائزہ لینے کے بعد کچھ نتائج اخذ کر لئے تھے۔نصف سے زیادہ جھونپڑی کی سطح بیرونی سطح سے کافی بلند تھی جبکہ ایک کونہ جس پر چٹائی پڑی تھی اسکی سطح پست تھی۔ بادشاہ نے کوتوال کو ان دونوں آدمیوں کو اپنی نگرانی میں جھونپڑی سے باہر لے جانے کیلئے کہا اور خود جھونپڑی کا جائزہ لینے لگا۔کونے میں پڑی ہوئی چٹائی کو ہٹایا تو نیچے لکڑی کا بڑا تختہ تھا اور تختے کے نیچے غار تھی غار کا رخ روضۂ اقدس کی جانب تھا اور دور تک چلی گئی تھی۔ بادشاہ کو یہ تو پتہ چل گیا کہ روضۂ اقدس کی جانب خفیہ طور پر ایک غار کھودی جا رہی ہے جس کی مٹی جھونپڑی کے اندر بچھا دی جاتی ہے۔ بادشاہ نے دونوں کی گرفتاری کا حکم دیدیا اور جب سختی سے ان سے باز پرس کی گئی تو انہوں نے اقرار کرلیا کہ وہ عیسائیوں کے ایما پر یہ کام کر رہے ہیں اور ہمارا مقصد (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو روضۂ اقدس میں سے نکال لے جانا ہے اور ہماری غار باب جبریل کے نیچے پہنچ چکی ہے۔

بادشاہ کے حکم پر ان فتنہ پردازوں کی گردنیں الگ کر دی گئیں اور انہیں عبرت کیلئے کئی دنوں تک چوراہوں پر لٹکا دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ نورالدین زنگی ننگے پاؤں مدینے کی گلیوں میں دوڑتے تھے اور لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعرے لگاتے تھے۔

نورالدین زنگی نے حضور کے مزار کے گرد اور نیچے دور تک سکہ بھروا دیا۔

44-روپ بہروپ

اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں ایک بہروپیا حاضر ہوا اور بادشاہ سے اپنے فن کی داد حاصل کرنے کا متمنی ہوا۔ بادشاہ نے فرمایا تم اپنے فن کا مظاہرہ کرو تمہاری قدردانی کی

جائے گی۔ بہروپیا چند دن کی رخصت حاصل کر کے چلا گیا اور کم وبیش ایک ماہ کے بعد ایک ایرانی حکیم کی شکل میں اس وقت حاضر ہوا جب بادشاہ کی طبیعت علیل تھی۔ بادشاہ نے اسے باریابی کا اذن عطا فرمایا اور وہ تخلیہ میں حاضر ہوگیا۔ کئی غلام اس کے ساتھ تھے جن کے سروں پر دواؤں کے تھیلے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو اطلاع دی گئی کہ ایران کے بادشاہ نے اسے بھیجا ہے۔ بادشاہ نے کچھ دیر غور سے حکیم کی طرف دیکھا اور پھر اسے قریب بلا کر کان میں کہا کہ میں نے ''تمہیں پہچان لیا ہے۔''

بہروپیا شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا اور خاموشی سے رخصت ہوگیا۔ وہ اپنی شکست سے بری طرح نڈھال ہوکر کئی روز گھر میں پڑا رہا۔

رمضان المبارک کا مہینہ گذر گیا اور عید کا چاند نظر آ گیا۔ نماز عید کے بعد اورنگ زیب عالمگیر دیوان عام میں لوگوں کو عید ملا کرتا تھا آج بھی لوگ آ جا رہے تھے۔ اطلاع ملی کہ ترکستان کا ایک جوہری بھی آیا ہے۔ وہ حاضر ہوا تو عرض کرنے لگا: میں حضور کی خدمت میں بدخشاں کا سب سے قیمتی لعل پیش کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ اس نے ایک صندوق کھولا اور اس میں سے ایک ڈبیہ نکالی جس پر زربفت کا غلاف چڑھایا گیا تھا۔ جونہی جوہری نے بادشاہ کے قریب جا کر ڈبیہ پیش کی اورنگ زیب نے مسکرا کر فرمایا

''میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔''

بہروپیے کی یہ دوسری شکست تھی جس نے اس کو بالکل مغموم کر کے رکھ دیا۔ کئی دنوں تک شکست کا داغ لئے گھر میں پڑا رہا۔ لیکن کب تک آخر اس کے فن کی غیرت بیدار ہوگئی اور آخری مرتبہ اپنی قسمت آزمانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور مصروف عمل ہوگیا۔

بادشاہ کو دکن سے بغاوت کی اطلاع موصول ہوئی تو وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ ایک پڑاؤ پر بادشاہ نے بیشمار لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ استفسار پر پتہ چلا کہ ایک غار میں ولی کامل ہے یہ لوگ اس کی زیارت کیلئے جمع ہیں۔ بادشاہ کو زیارت کا شوق ہوا تو غار میں

چلا گیا۔ درویش نے توجہ نہ کی۔ بادشاہ بہت زیادہ متاثر ہوا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے اپنی مہم کی کامیابی کیلئے دعا کی درخواست کی لیکن کوئی جواب نہ پایا۔ اورنگ زیب اور زیادہ معتقد ہو گیا۔ بادشاہ نے واپسی کا ارادہ کیا اور جب دست بوسی کیلئے جھکا تو بہروپیا نے بادشاہ کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور کہا بادشاہ سلامت یہ میرا آخری سٹیج تھا۔ ''میں درویش نہیں بہروپیا ہوں''۔ بادشاہ پکار اٹھا: آج میں تمہارے فن کی عظمت کا اقرار کرتا ہوں اور اشرفیوں کی یہ تھیلی تمہاری نظر کرتا ہوں۔''

بہروپیا کہنے لگا: ''بادشاہ سلامت اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب تو دل کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ جب فقیر درویش کے بہروپ میں کشور ہند کے بادشاہ کی پیشانی میرے سامنے جھک گئی ہے اگر اصل کی طرف رخ کروں تو کیا عالم ہوگا؟''

یہ کہتے ہوئے ایک چیخ ماری اور گریباں کی دھجیاں اڑاتا ہوا بھاگ گیا۔ اورنگ زیب سکتے کے عالم میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

کتابیات

1- ضیاء النبی — ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب

2- اخبار الاخیار — شیخ عبدالحق محدث دہلوی

3- آدم سے پہلے آدم کے بعد — اے۔ کے۔ پاٹوی

4- مکاشفۃ القلوب (اردو ترجمہ) — علامہ امام غزالیؒ

5- ضیاء القرآن — ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب

6- تفسیر ابن کثیر — علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر

7- تبلیغی نصاب — مولانا محمد زکریا صاحب

8- ضیائے حرم (رسالہ) — متفرق رسالہ جات

9- تفہیم القرآن — مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

10- خلفائے راشدین — پروفیسر غلام قادر

11- مشاہیر اسلام — آغا اشرف

12- اسلام کے نامور سپہ سالار — فیض عالم صدیقی

13- محسنِ انسانیت — نعیم صدیقی

14- تبلیغی نصاب حصہ اول و دوم — صوفی برکت علی صاحبؒ

15- شمع رسالت کے تیس پروانے — طالب ہاشمی

16- الفاروق — مولانا شبلی

17- تاریخ اسلام — مولوی محمد اکبر شاہ

18- خلفائے راشدین کی کہانیاں — شاہد حمید

19- تاریخ ابنِ خلدون — حکیم احمد حسین

20- الرحیق المختوم — مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری

-21	کردار کی کرنیں	سعید راشد
-22	فیضانِ سنت	مولانا محمد الیاس قادری صاحب
-23	زلف و زنجیر	علامہ ارشد قادری

جمالِ حرم





- نسیمِ نبوتؐ
- سیرت کوثر
- شیطان کی فریب کاریاں
- علاماتِ امام مہدی ⁝ ہم مدینے چلے
- رکنِ دین ⁝ فاتحہ کا ثبوت

